اسلامی اصولِ تعلیم

www.KitaboSunnat.com

تالیف:
حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق وترتیب:
مفتی رشید احمد العلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

اسلامی اُصولِ تعلیم

ترجمہ: رسالہ دانشمندی (فارسی)

تالیف: حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ؒ

مترجم وشارح: مفتی رشید احمد العلوی

مع رسالہ: مسائل جدیدیت (مغرب کے فکری مغالطے)

مئولفہ: محمد حسن عسکری

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ISLAMI USOOL E TALEEM
By
MUFTI RASHEED AHMED AL ALAVI
ISBN: 978-969-8793-91-3

قانونی مشیر　سید طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ضابطہ

نام کتاب	اسلامی اصول تعلیم
تالیف	امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
تقدیم وتخریج	مفتی رشید احمد العلوی
سال اشاعت	جولائی ۲۰۱۱ء
ناشر	محمد ریاض درانی
بااہتمام	محمد بلال درانی
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور
قیمت	130/- روپے

انتساب

مدارس عربیہ کے ان عظیم طلبائے کرام کے نام جو اپنی زندگی میں گرانیوں کے باوجود اپنی گراں مایہ صلاحیتوں کے ساتھ دین اسلام کی شمع کو فروزاں رکھتے ہیں اور فرمان نبوی

بدأ الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ فطوبیٰ للغرباء

کا مصداق بننا چاہتے ہیں

اور میرے ان عزیز طلباء کے نام جن کے دلوں میں اپنے اساتذہ اور مشائخ کی علمی محبت ، فکری رانگی ، سلف سے وابستگی ، حصول منزل سے دل بستگی کی لگن منتقل کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب

رشید احمد العلوی
کان اللہ لہ عوضا عن کل شئ
۱۱ نومبر ۲۰۰۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

توضیح

رسالہ ھذا تین قسم کے افراد کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ عام لوگ، درمیانے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیمی صلاحیتوں کے حامل افراد۔ اسی لحاظ سے ہم نے اپنے اس رسالے کو تین حصوں میں مرتب کیا ہے۔ عام افراد کے لیے حصہ اول جس میں عام زبان میں اصول تعلیم اور اس کے متعلقہ مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں اہل علم حضرات خاص طور سے جو حضرات تعلیم وتعلم کے شعبے یا مدارس دینیہ میں تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں اس میں امام شاہ ولی اللہ کے اصول اور اس پر ہمارے تشریحی نوٹس یقیناً اہل علم کی راہنمائی اور استفادے کا باعث ہوں گے۔

اور تیسرے حصے میں زیادہ وسیع علم اور بین الاقوامی فکر کے حامل افراد جو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ تعلیمی لحاظ سے دنیا میں ہماری دینی فکر اور علمی رجحانات کا پس منظر اور ان کی حقیقت کیا ہے۔ اس میں ہم نے یورپی فکر وفلسفہ کی بنیادی مسائل پر تبصرہ کیا ہے جو اہل علم کے لیے یقیناً قابل قدر اور قابل داد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو بارگاہ کبریائی میں قبول فرمائے۔

رشید احمد العلوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقریظ حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

پیش نظر رسالہ "اسلامی اصول تعلیم"، حکیم الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و نظر کا نتیجہ ہے، جس کا ترجمہ اور تخریج فاضل گرامی حضرت مولانا رشید احمد العلوی نے انجام دی ہے۔

مولانا موصوف ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے دادا بزرگوار حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند حضرت اقدس مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ (اور حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی کے اجل خلفاء) میں سے تھے۔

گوجرانوالہ کے خطیب اعظم اور مفتی اکبر تھے۔ ایک عرصہ تک عامۃ المسلمین ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ مولانا رشید احمد صاحب اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں۔

الولد سرٌّ لابیہ کا مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت دے اور مسلمانوں کو ان کے علوم سے بہرہ یاب کرے۔

(حضرت) احقر نفیس الحسینی
کریم پارک، لاہور

ایک ماہر تعلیم کی رائے

موجودہ دور میں اور خاص کر ہمارے جیسے پس ماندہ ملک میں، جہاں پر لوگ دو اور دو چار کے چکر سے ہی نکل نہیں پاتے۔ "اسلامی اصول تعلیم" جیسی نادر کتاب کا ترجمہ و تشریح پیش کرنا یقیناً ایک قابل قدر کوشش ہے۔

معزز و مکرم، مشفق دوست اور استاد محترم جناب مفتی رشید احمد العلوی از حد مبارک اور تعریف و ستائش کے مستحق ہیں کہ اس گئے گزرے دور میں ملت اسلامیہ کے علم کے مینار، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور زمانہ تصنیف "اسلامی اصول تعلیم" کا ترجمہ اور تشریح نہایت سادہ اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔ اس پیشکش کی اور خوبی مزید یہ ہے کہ موصوف نے حسن عسکری صاحب کی کتاب "جدیدیت" کا خلاصہ بھی منسلک کر دیا ہے۔

مفتی رشید احمد صاحب کی یہ کوشش علم دوست حضرات اور اہل دانش کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

خدا انہیں علم کے ایسے مزید دریا بہانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقر العباد
مظہر سلیم اختر
سابق صدر، شعبہ معاشیات و عالمی امور
ایچی سن کالج، لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک ممتاز قانون دان کی رائے

اللہ تعالیٰ کا صد شکر کہ دیرینہ ساتھی، ممتاز اہل قلم، مشہور عالم دین مکرمی ومحترمی مفتی رشید احمد العلوی مَتَّعَنَا اللہُ بِطُوْلِ حَیَاتِہٖ نے اس پرفتن اور مادی دور میں "اسلامی اصول تعلیم" جیسے مستند اور نادر رسالہ کا ترجمہ وتشریح پیش کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت جنھوں نے اس رسالہ کو فارسی میں تصنیف کیا محتاج تعارف نہیں ہے۔ وہ قرآن وسنت کے دلدادہ اور صبر وعزیمت کے پیکر تھے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ شرک وبدعت میں مستغرق اور بدعملی کی شکار انسانیت کو راہ راست پر گامزن کرنے میں صرف ہوا۔

مفتی رشید صاحب نے کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی پاکیزہ اردو میں نہایت مثبت انداز میں "اسلامی اصول تعلیم" کے بحر ذخار سے موتی تلاش کر کے ایک سلک میں پرو دیے ہیں۔

میری فاضل محترم کے حق میں اللہ کے حضور دلی اور خصوصی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وفضل، عمل واخلاص میں برکت کثیرہ عطا فرمائے اور یہ قابل قدر مساعی ان کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد

احقر العباد

جسٹس (ریٹائرڈ) طارق شمیم

عزیز القدر والمقام
طالبان علوم نبویہ کے نام

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے ٹوٹا ہوا تارہ
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے کہ جس میں حور نہیں

گر قبول افتد زہے عز و شرف
از بندہ الفقیر رشید احمد العلوی

گفتار نخستیں!

تعلیم و تعلم، ایسا عمل ہے، جس کی ابتداء، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے آپ سے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو وہ علم سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی سند اپنے ساتھ متصل فرمادی اور بتایا کہ تعلیم کا آغاز اللہ تعالیٰ سے شروع ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے اور اس کے بعد قیامت تک ساری انسانیت ان سے فیض یاب ہوتی رہیں گے۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علمه البيان

جس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ:

''وہی ہے رب رحمٰن ہے جس نے بندوں کو سکھایا قرآن، جس نے پیدا کئے انسان اور ان کو بتایا کہ وہ کیسے کیا کریں اپنا مدعا و مقصد بیان''

تعلیم و تعلم کا طریقہ کار اور اس کی تربیت اور اصلاح کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے اور عام انسانوں کو اس عمل سے مستفید کرنے کے لیے انبیاء، اولیاء، علماء و مجتہدین و معلمین کی پاکیزہ جماعت کو منتخب اور پسند فرمایا اور ان کے بعد یہ فریضہ علمائے اُمت اور صلحائے ملت بطریق احسن سرانجام دیتے رہے ہیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موجودہ زمانے کے مجدد، امام انقلاب اور داعی نعرہ "فک کل نظام" حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء.....۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے اسی موضوع پر ایک رسالہ دانشمندی تحریر فرمایا تھا، جو نہ صرف تعلیم بلکہ تعلم سے وابستہ کارکنوں کے لیے مفید بھی ہے اور ان کے لیے مشعل راہ بھی ہے۔

اس رسالہ کی عربی زبان میں تکمیل، تشریح اور توضیح امام شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۶۳ھ.....۱۲۳۳ھ) نے تکمیل الاذہان کے نام سے فرمائی تھی:

بقول امام شاہ رفیع الدین: فن تعلیم وتعلم کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے جیسا کہ حضرت صوفی عبدالحمید سواتی فرماتے ہیں:

وهذا الفن مشتملة على خمسة اشياء: فان الافادة والتعليم يكون للمنكر بالمناظرة، وللمُذ عن بالتدريس، والتلميذ وهذا بالقول والمشافهة وبالتحرير تصنيفا ومطالعة.

یعنی یہ فن دانشمندی پانچ چیزوں پر مشتمل ہے۔

① **علم مناظرہ** سے مراد یہ ہے جب کہ کوئی شخص اپنے علم کا فائدہ کسی نہ ماننے والے کو دینا چاہے تو اس کو علم دانشمندی میں علم مناظرہ کہتے ہیں۔

② **علم تدریس** اور اگر تعلیم کسی اپنے مطیع اور فرمانبردار شخص کو دی جائے اور وہ اس علم کو سیکھنا بھی چاہتا ہو تو اس کو وہ علم طریقہ تدریس کے ذریعے حاصل ہو سکے گا۔

③ **علم تلمذ** وہ ہے جس میں تلمیذ یا شاگرد کو اس کا فائدہ پہنچانا مقصود ہو اور وہ اس کا فائدہ حاصل بھی کرنا چاہتا ہو تو اس کو زبانی اور بالمشافہ گفتگو کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

4 **علم تصنیف** وہ ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے اس علم کا فائدہ عام لوگوں کو پہنچانا چاہے تو اس کی صورت تحریر کے ذریعے ہو سکتی ہے اور یہ مقصود حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت تصنیف تالیف ہے۔

5 **علم مطالعہ:**

علم مطالعہ وہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے علم سے خود بھی فائدہ حاصل کرنا چاہے اور دوسروں کے علمی تجربات سے بھی مستفید ہونا چاہے تو یہ چیز علم مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

فصل

احوال وافکار امام شاہ ولی اللہ دہلوی

ولادت ووفات:

امام شاہ ولی اللہ کی ولادت باسعادت حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے اسی برس بعد اور شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے چار سال قبل ۴ شوال مکرم ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۷۰۲ء، بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب اپنے ننھیال کے ہاں بمقام قصبہ پھلت، ضلع مظفر نگر ہوئی۔

اور آپ کی وفات کا قصہ یوں ہے کہ آپ بمقام بڈھیانہ، ضلع مظفر نگر میں قیام کے دوران مرض الوفات میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ غذا کی قلت سے کمزوری ونقاہت پہلے سے لاحق تھی اب اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا اور بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بغرض علاج دہلی تشریف لے گئے لیکن جانبر نہ ہو سکنے کی وجہ سے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء بوقت ظہر دہلی سے اس جہان فانی کو بے یارومددگار چھوڑ کر مالک العلام کے ہاں مقیم ہو گئے اور تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں" نکلتی ہے اور حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے مزار کے متصل مہندیاں کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

نام ونسب اور خاندان:

اسم گرامی احمد، کنیت ابوالفیاض، عرف ولی اللہ بشارتی نام قطب الدین، تاریخی نام عظیم الدین مشہور ہے اور آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اور والدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ خالص عربی النسل اور سادات فاروقیہ میں سے تھے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعلیم وتربیت:

آپ کی ولادت کے پانچویں برس والد محترم شاہ عبدالرحیم سے آغاز تعلیم کیا گیا۔ سات برس کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ ضروری دینی مسائل سیکھ لیے، اس کے بعد نماز کا باقاعدہ آغاز کروادیا گیا۔ ساتویں برس کے آخر میں ابتدائی عربی اور فارسی کتب کا آغاز کروایا گیا۔ دس برس کی عمر تک اس زمانے کے مروجہ نظام تعلیم میں اہم ترین کتب کو مکمل فرمالیا اور پندرہ برس کی عمر میں اس زمانے کے مروجہ تمام درسی علوم کی تکمیل فرمائی۔

تزویج ونکاح:

آپ کی فراغت سے پہلے چودہ برس کی عمر میں ہی والد نے آپ کے ماموں شیخ عبداللہ پھلتی کی صاحب زادی سے آپ کا نکاح کردیا اور نکاح کے بعد تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے والد کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور منازل سلوک طے کرنا شروع فرمائیں جیسے ہی باقاعدہ تعلیم سے فارغ ہوئے اس کے ساتھ ہی والد نے آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بھی بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور والد کی وفات کے ساتھ ہی مدرسہ رحیمیہ اور خانقاہ رحیمیہ کے مستقل مسند نشین ہوکر سالکین کی راہنمائی کے منصب پر فائز ہوئے۔

شاہ صاحب کا مسلک:

شاہ ولی اللہ اپنی وسعت علم وقت نظر قوت استدلال ملکہ استنباط سلامتی فہم صفائی قلب اتباع سنت جامع بین العلم والعمل اور کمالات ظاہری اور باطنی کے ساتھ مالا مال ہوتے کے ساتھ ساتھ آپ باوجود مجتہد کی صفات سے متصف تھے امام اعظم کے طریقہ تحقیق کی اتباع کو لازم گردانتے ہیں اور اپنے اس طرز عمل کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

استفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ما كان عندي وما كانت طبعي تميل اليه اشد ميل، فصار هذه الاستفادة من براهين الحق تعالى،

احدها الوصاة بترك الالتفات الى التسبب وثانيها الوصاة بتقليد بهذه المذاهب الاربع لا اخرج منها والتوفيق ما استطعت وجبلتي تابى التقليد وتالف منه رأسا ولكن شئ طلب التعبد به بخلاف نفسي وههنا نكتة طويت ذكرها وقد تفطنت بحمد الله بسر هذه الحيلة وهذه الوصاة (فيوض الحرمين)

میں نے اپنے شدید طبعی میلان کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں سیکھیں جو میرے لیے برہان حق بن گئیں، ان میں سے:

پہلی وصیت یہ تھی کہ میں ظاہری اسباب کی طرف اپنی توجہ ترک کردوں۔

دوسری وصیت یہ تھی کہ تاحد امکان میں مذاہب اربعہ کی حدود سے باہر نہ نکلوں اور اختلاف کی صورت میں ان مسائل میں توافق وتطبیق کا راستہ اختیار کروں اور یہ بات مجھ سے بطور امر تعبدی کے طلب کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ بات میری عادت اور فطرت کے بالکل خلاف تھی اور یہاں ایک ایسا نکتہ ہے کہ جس کو میں نے بیان نہیں کیا لیکن الحمدللہ مجھے اس وصیت اور اس امر تعبدی کے طلب کیے جانے کا اصل راز معلوم ہو چکا ہے۔

اپنی اس کتاب فیوض الحرمین میں امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة انيقة هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت في زمن البخاري واصحابه وذلك ان يؤخذ من اقوال الثلاث (اي الامام وصاحبيه) قول اقربهم بها في المسئلة ثم بعد ذلك يتبع اختيار الفقهاء الحنفين الذين كانوا من علماء الحديث فرب شئ سكت عنه الثلاث في الاصول وما يعرضوا فيه ودلت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفي (فيوض الحرمين)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات کا تعارف کروایا کہ مذہب حنفی ایک ایسا عمدہ طریقہ اور راستہ ہے جو دوسرے طریقوں کی نسبت سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے اور اس کی تدوین امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی تھی اور اس طریقے کا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ یوں ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ امام محمد اور امام ابو یوسف میں سے جس کی بات سنت مشہورہ کے قریب ہو اس کو لے لیا جائے، اس کے بعد ان فقہاء کی پیروی کی جائے جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے کیونکہ بہت سارے اصولی مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں ائمہ ثلاثہ نے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی ان کی نفی کی ہے، لیکن احادیث ان کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر ان کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور یہ سب باتیں مذہب حنفی کے مطابق ہیں۔

آج کل کے زمانہ میں امام شاہ ولی اللہ کے بارہ میں جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے تقلید ائمہ یا کسی خاص مذہب کے ساتھ التزام کی ممانعت فرمائی ہے اس اعتراض یا مدعی کے خلاف شاہ ولی اللہ کے اپنے اقوال گواہ ہیں اور تفصیل کے لیے علامہ خالد محمود کی کتاب ''آثار التشریع'' جلد اوّل کا مطالعہ ازحد مفید ہے۔

زمانہ شاہ ولی اللہ کا تاریخی پس منظر:

شاہ ولی اللہ کے زمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد میاں ؒ فرماتے ہیں:

''اٹھارہویں صدی کا آغاز تھا کہ اس جلیل القدر فاضل آزاد خیال مفکر انقلاب آفریں مصلح کی کتاب زندگی کا افتتاح ہوا اور ساتویں دہائی کے پورے دو سال بھی گزرنے نہیں پائے تھے ۱۷۶۲ء میں اس نے صحیفہ حیات کا آخری ورق پلٹ دیا۔

اٹھارویں صدی پر ایک نظر:

یہ وہ انقلاب آفریں اور ہنگامہ خیز صدی ہے جس میں ایک شہنشاہیت کا آفتاب ڈھلتے ڈھلتے غروب کے قریب پہنچ رہا تھا اور ایک دوسری شہنشاہیت کی صبح کاذب ہندوستان کے مشرق میں صبح صادق بنتی جا رہی تھی۔

اس صدی کا آغاز ہوا تو قندھار سے آسام تک نیپال وتبت سے مالابار و کھمبائت تک پورے ملک کا سیاسی مرکز ایک تھا مگر ابھی پہلی دہائی ختم نہیں ہوئی تھی کہ فروری ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ شیرازۂ ملک کا ایک ایک ورق جدا ہو گیا

اور یورپ کی وہی سفید فام طاقتیں جن پر عالمگیر کے دادا پر دادا نے مہربانیوں اور شاہانہ عنایات کی بارش کی تھی جن کو عالمگیر کے باپ (شاہجہاں) نے شکنجہ تادیب میں کسا تھا جن کو عالمگیر نے پہلے ملک بدر کیا تھا پھر معاف کر کے تجارت کی اجازت دی تھی ابھی سو سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ عالمگیر کی راج دھانی پر اس کا تسلط اور عالمگیر کا پوتا شاہ عالم اس کا وظیفہ خوار تھا۔

دوسرے الفاظ میں اس صدی کے مدوجزر کا خلاصہ یہ ہے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی شہنشاہانہ عظمت سے اس کا آغاز ہوا اور خاتمہ اس فدائے ملک وملت کی شہادت پر ہوا جس کو دنیا سلطان ٹیپو کے نام سے پہچانتی ہے۔ جس کے خون شہادت میں تڑپتے ہوئے جنازہ کو دیکھ کر انگریز فاتح کی زبان بے ساختہ پکار اٹھی تھی:

''آج ہندوستان ہمارا ہے''

اس صدی کے قیامت خیز ہنگاموں کا خلاصہ یہ ہے:

۱- مرکزی حکومت کے ارکان میں ایرانی، طورانی یا شیعہ سنی اختلاف وکشمکش کا مرض جو عالمگیری کی زندگی تک دبا رہا تھا۔ وفات کے بعد پوری شدت سے ابھرا اور وہ خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں صرف پچاس سال کے عرصہ میں (۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۷ء) تخت دہلی پر دس تاجدار بٹھائے گئے اور اتارے گئے۔ ان میں صرف چار اپنی موت سے مرے۔ باقی کے سر قلم کیے گئے یا تخت سے اٹھا کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔

۲- صوبوں کے گورنر خود مختار ہو گئے اور مغل شہنشاہ ایک دعاگو ''مرشد'' بن کر رہ گئے۔

۳- جنوبی ہند میں مرہٹوں کی طاقت ایک مستقل طاقت بن گئی۔

۴- دہلی کے شمال مشرقی علاقوں میں روہیلوں کی حکومت قائم ہو گئی اور اس کے مقابل اودھ کی وزارت نے شہنشاہیت اختیار کر لی۔

۵- دہلی کے جنوب مغرب میں جاٹوں کی طاقت ابھری۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com
'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

۶۔ شمال مغرب میں خالصہ (جو ابھی تک مذہبی فرقہ تھا) ایک مستقل سیاسی طاقت بن گیا۔

ان طاقتوں کے تصادم سے سرزمین وطن کا چپہ چپہ میدان کارزار بنا۔ بار بار ان کے سیلاب دہلی تک پہنچے اور تین سو سالہ شہنشاہیت کے احترام کو پامال کیا۔ ان جنگجو طاقتوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے باہر کی طاقتوں سے بھی ساز باز کیا۔ ایک گروپ نے نادر شاہ کو بلایا تو دوسرے گروپ نے ابدالی کو دعوت دی۔ نوعیت میں کسی قدر فرق رہا مگر وطن اور اہل وطن کو نقصان پہنچانے میں دونوں ایک دوسرے سے بڑھتے رہے۔

یہ حال ان طاقتوں کا تھا جن کا مرکز ہندوستان یا ایران و افغانستان تھا یا جو پایہ تخت دہلی سے قریب کا تعلق رکھنے والی تھیں۔ باقی رہیں یورپ کی وہ سفید فام طاقتیں جو ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں قدم جما چکی تھیں۔ وہ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں مگر ہندوستان کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھانے میں سب شریک تھے۔ بالخصوص ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذمہ داروں نے تمام یورپی ساتھیوں سے آگے بڑھ کر اس خانہ جنگی سے وہ فائدہ زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جو ایک بیدار مغز چست و چالاک حریف ایسے موقع سے حاصل کر سکتا ہے۔

اس نے بنگال میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی انتہا یہ کہ ایک طرف ابدالی کی فوجیں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا خاتمہ کر رہی تھیں تو دوسری جانب بنگال میں انگریزی فوجیں سرج الدولہ کو موت کی گھاٹ اُتار کر غیر ملکی شہنشاہیت کے پرچم لہرا رہی تھیں۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۲/۴۱۴)

نوٹ:

مولانا محمد میاں رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا پیراگراف سے یہ بات بہت عیاں ہو جاتی ہے کہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت شاہ ولی اللہ نے نہیں دی تھی اور اس بات کی صداقت پر بہت سارے قرائن موجود ہیں مثلاً:

۱۔ امام شاہ ولی اللہ جیسے قومی راہبر جو مجددیت کے منصب پر بھی فائز ہوں اور اللہ تعالیٰ

کے دین کے امین بھی ہوں وہ کسی غیر ملکی حکمران کو اپنے ملک پر حملہ کرنے کی کسی صورت دعوت نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ اخلاقیات یا دینی اخلاقیات اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

۲۔ جب کوئی حاکم کسی بھی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہاں کے علماء کی آراء ضرور معلوم کرتا ہے لیکن وہ اس رائے کے مطابق اپنی پلاننگ کبھی نہیں کرتا، اس لحاظ سے امام شاہ ولی اللہ ایک عالم تو تھے البتہ کوئی سیاسی یا فوجی جرنیل نہ تھے حاکم ہمیشہ اپنے برابر کے فرد کی بات کو اہمیت دیتا ہے ایک عام سے مولوی یا کسی پیر کی بات کو اہمیت نہیں دیتا۔ البتہ اگر وہ عالم یا پیر حکومت کا حصہ ہو تو پھر اس کو اہمیت بھی دی جاتی ہے اور اس سے مشورہ بھی لیا جاتا ہے۔

۳۔ ابدالی نے آغاز جنگ سے اختتام جنگ اور اس کے بعد تک بھی شاہ ولی اللہ سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کیا، تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ اگر وہ شاہ ولی اللہ کی دعوت پر حملہ آور ہوا ہوتا تو کوئی منصب یا شکریہ کے چند کلمات حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں بھی ارسال کرتا۔

۴۔ شاہ ولی اللہ جو بذات خود ملک کل نظام کے حامی تھے اور وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”جب ملوک کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے باعزت لوگوں کو بے عزت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں“ اور اگر کسی غیر ملکی حاکم کو اپنے ہی ملک پر حملے کی دعوت دیتے تو اس سے جو انقلاب شاہ صاحب برپا کرنا چاہتے تھے وہ یقیناً بہت دور چلا جاتا تھا اور شاہ صاحب ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

۵۔ ایک سطحی سوچ کا آدمی بھی اتنی بڑی غلطی نہیں کر سکتا کہ اپنے گھر میں اولاد کی لڑائی سے تنگ آ کر کسی باہر کے فرد کو یہ کہنا شروع کر دے کہ تم ان سب کی پٹائی کرو، کجا یہ کہ وقت کا مفکر اعظم اور داعی دین متین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا امین و علمبردار ایسی سطحی کوششیں شروع کر دے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

ہاں ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے یا اپنی مدد مانگنے کی کوشش کسی حاکم یا کسی جنگی جرنیل کی ہوگی تاکہ وہ اس حملے سے اپنی طاقت کو مستحکم کر سکے اور امام شاہ ولی اللہ کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ انہوں نے ابدالی کو حملے کی دعوت دی تھی یہ بات کسی طور بھی پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتی۔ اگرچہ یہ مشہور ہو چکی ہے۔

افکار و نظریات:

شاہ ولی اللہ کی طرف سے تشخیص مرض اور تجویز علاج:

یہ تمام تباہ کن خونیں ڈرامے شاہ ولی اللہ کی زندگی میں ان کی چشم بینا کے سامنے ہو رہے تھے۔

ایک طرف آپ کے قلب حساس میں بربادی وطن کا درد تھا دوسری طرف آپ کا مغز بیدار، اسباب مرض کی تلاش اور فکر علاج میں مشغول تھا۔

اسی اضطراب اور بے چینی میں آپ نے اصلاحی جدوجہد شروع کی جس کی شدت سے مختلف لوگوں کی طرف سے مخالفت کی گئی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ مسجد فتح پوری سے نکلتے ہوئے آپ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔

اسی اوہیڑ بن میں آپ نے ۱۷۲۸ء میں حجاز شریف کا سفر کیا وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ اور ایشیاء کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری واقفیت حاصل کی، ترکی حکومت کو اگرچہ سماجی خرابیوں کا گھن لگ چکا تھا مگر پھر بھی وہ اس زمانے میں ایشیاء کی سب سے بڑی حکومت تھی۔ تمام مشرق وسطیٰ پر اس کے اقتدار کا پرچم لہرا رہا تھا۔ بحر عدن تک اس کا قبضہ تھا اور یورپ و افریقہ کے بھی بہت سارے حصے اس کے زیر اقتدار تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اس سب سے بڑی حکومت کے اندرونی حالات کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ آپ ایک خط میں فرماتے ہیں:

احوال هند برما مخفی نیست که خود مولد و منشاء فقیر است بلاد عرب نیز دیدیم، واحوال مردم ولایت از ثقات اینجا شنیدیم

ہندوستان کے حالات ہمارے سامنے مخفی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو ہمارے جائے ولادت و قیام ہے۔ ممالک عرب بھی ہم نے دیکھ لیے ہیں اور ولایت والوں کے حالات وہاں کے با اعتماد لوگوں سے معلوم کیے جا چکے تھے۔

ان تمام ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کے گہری سوچ و بچار اور اعلیٰ تدبر نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ سماجی معاشی اقتصادی تباہیاں اس وقت موجود ہیں ان کا اصلی سبب ملوکیت و شہنشاہیت ہے۔

اس سفر حجاز میں آپ کے ضمیر کی آواز نے یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ ان تباہیوں اور بربادیوں کا واحد علاج "فک کل نظام" ہے یعنی ایسا ہمہ گیر اور مکمل انقلاب جو سماج کے معاشی، سیاسی، اقتصادی غرض ہر ایک ڈھانچہ کو بدل ڈالے۔ کیونکہ اس وقت کا ہر ایک نظام اس کا تعلق کسی بھی شعبہ سے ہو شہنشاہیت کا پروردہ ہے اور وہ امراض جو شہنشاہیت کے ساتھ لازم ہوتے ہیں۔ ہر ایک نظام میں سرایت کر چکے ہیں۔ بس کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہر ایک نظام کہنہ کو منہدم کر کے اس کی جگہ نظام نو تعمیر کیا جائے۔ یہی ہے "فک کل نظام" کا اصل مفہوم جو شاہ صاحب قوم کو دینا چاہتے تھے۔

انقلاب کا طریقہ کار:

شاہ صاحب فوجی انقلاب کے حامی تھے۔ مگر وہ فوجی انقلاب جو جہاد کے اصول پر مبنی ہو یعنی جس کا نصب العین سب سے بہتر و برتر ہو اور جس کا ہر ایک مجاہد ذاتی اغراض سے یہاں تک بلند ہو کہ خود اپنی شخصیت کو بھی فنا کر چکا ہو۔ یہاں تک کہ فنا کو بقا اور نصب العین کے لیے قربان ہو جانے کو ابدی زندگی تصور کرے۔

ایسا انقلاب پیشہ ور سپاہیوں کے ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان رضا کاروں کے ذریعے ہو سکتا ہے جن کی تربیت اس طور پر کی گئی ہو، جو نصب العین کو سمجھیں اور اصلاحی نظریات پر پہلے اپنے آپ کو ہموار کریں اور اس کے بعد ان کو کامیاب بنانے کے لیے قربان ہو جانا اپنی زندگی کا آخری مقصد بنا لیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاہ ولی اللہ دہلوی نے سب سے پہلے یہی خدمت انجام دی آپ نے اصلاحی نظریات مرتب کیے ساتھ ساتھ ٹریننگ سنٹر قایم کیے مگر آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور اس خدمت کی تکمیل آپ کے پس ماندگان بالخصوص خلف اکبر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سپرد ہوئی۔

نوٹ:

یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ کیا شاہ ولی اللہ جس انقلاب کے حامی تھے وہ کیسا فوجی انقلاب تھا یا اس سے کس قسم کا انداز انقلاب مراد لیا جاسکتا ہے؟

اگرچہ مولانا محمد میاں رحمہ اللہ نے اس کو صرف فوجی انقلاب قرار دیا ہے اور اس کی تفصیلات میں نہیں گئے ہیں لیکن اس لفظی تعبیر اور اصطلاحی مفہوم سے موجودہ زمانے میں کچھ شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں فوجی انقلاب سے مراد عموماً مارشل لاء لیا جاتا ہے اور شاہ ولی اللہ گویا کسی ایسے انقلاب کے حامی ہوں جو سراسر فوجی انقلاب ہو جو گویا ایک طرح سے شہنشاہیت کی ہی ایک قسم ہے۔ جبکہ شہنشاہیت کے خلاف خود شاہ صاحب بھی اپنا نقطہ نظر پیش کر چکے ہیں اور اس بات کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ وہ انقلاب "پیشہ ورانہ سپاہوں" کے ذریعے برپا نہ کیا جائے۔ ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک قسم کی منظم عوامی جدوجہد جس سے ایک مثبت تبدیلی واقع ہو جائے اور فوجی اس میں معاون کا کردار ادا کرے یہاں تک تو بات درست ہے لیکن کامل و مکمل فوجی انقلاب ہونا کسی طور بھی بات کو واضح نہیں کرتا اس لیے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا فوجی انقلاب جو اصل میں شہنشاہیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ شاہ صاحب اس نقصان کے حامی نہ تھے البتہ ایک منظم تبدیلی کے حامی تھے جس سے انسانی اور مالی نقصان کم از کم ہو اس کی تفصیلات ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے اصلاحی نظریات:

ہندوستان اس خوش قسمتی پر جس قدر فخر کرے کم ہے کہ ایسے دور میں جب کہ ابھی انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء جس کو انقلاب پسندان عالم کے لیے نشان راہ کہا جاتا ہے نصف صدی بعد آنے والا تھا اور کمیونزم کے معلم اول کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیق

عزیز اینگلز کی پیدائش میں پوری صدی باقی تھی اور اس سے تقریباً چالیس سال پہلے کہ یورپ میں مشینوں اور کلوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے ایک سپوت نے اقتصادیات کے بارے میں یہ اصول طے کیے کہ:

اقتصادیات کے لیے دس سنہری اصول:

۱- دولت کی اصل بنیاد محنت ہے، مزدور اور کاشتکار قوت کاسبہ ہیں باہمی تعاون مدنیت (شہریت) کے روح رواں جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

۲- جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے کہ قوم و ملک کی دولت میں اضافہ ہو، دولت بہت ساری جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔

۳- مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک و قوم کے لیے دماغی کام کریں دولت کے اصل مستحق ہیں ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

۴- جو سماج محنت کی صحیح قیمت نہ ادا کرے اور مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

۵- محنت کی اجرت میں ضرورت مند مزدوروں کی رضامندی قابل اعتبار نہیں، جب تک کہ ان کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد باہمی کے اصول پر لازمی ہونی چاہیے۔

۶- جو پیداوار یا آمدنی امداد باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔

۷- کام کے اوقات محدود کیے جائیں۔ مزدور کو اتنا فارغ وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان میں مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

۸- تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر جاری رہنا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چاہیے۔ پس جس طرح تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے "کمپی ٹیشن" (تجارتی مقابلہ) سے روحِ تعاون کو نقصان پہنچائیں، ایسے ہی حکومت کے لیے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کریں یا رخنہ ڈالیں۔

۹- وہ کاروبارِ دولت جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کر دے ملک کے لیے تباہ کن ہے۔

۱۰- وہ شاہانہ نظام جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کا سبب، دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ نظامِ زندگی کا موقعہ دیا جائے۔

مزید تفصیل اور توضیح کے لیے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی کتاب اسلام کا اقتصادی نظام ملاحظہ کیا جائے۔

سیاسی اور نظامِ حکومت کے اصول:

۱- زمین کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری نظام کے لحاظ سے اسٹیٹ ہے۔ باشندگانِ ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانہ میں ٹھہرنے والے مسافر کی ہوتی ہے۔

۲- ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا حقِ انتفاع حاصل ہو گیا ہے اور دوسرے لوگوں کا اس میں حقِ دخل اندازی قانوناً منع ہے۔

۳- سارے انسان برابر ہیں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالک ملک، ملک الناس یا ملک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے اور نہ ہی کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی صاحبِ اقتدار کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے۔

۴- حاکمِ وقت کی حیثیت کسی وقف کے متولی کی سی ہے وقف کا متولی اگر ضرورتمند ہو تو مال وقف میں سے اس قدر وظیفہ لے سکتا ہے جس سے وہ عام ملکی باشندے کی مانند زندگی گزار سکے۔

بنیادی انسانی حقوق کا تعین:

ہر انسان کا یہ بنیادی اور اوّلیں درجے کا حق ہے کہ وہ

۱- روٹی کپڑا اور مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر کے پُرسکون معاشرتی زندگی گزار سکے۔

۲- بچوں کی تعلیم و تربیت بلا لحاظ رنگ و نسل، مذہب و ملت ہر انسان کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے۔

۳- مذہب و نسل رنگ و قوم کے کسی بھی تفاوت کے بغیر عام ملکی باشندوں کو عدل و انصاف حاصل ہو۔

۴- بلا کسی تفریق تمام ملکی باشندوں کو ان کی جان و مال اور عزت و ناموس کا تحفظ حاصل ہو۔

۵- تمام باشندگانِ مملکت کے لیے نجی ملکیت کی آزادی ہے۔

۶- اسلامی مملکت کی حدود میں بسنے والے تمام انسانوں کو شہریت کی بنا پر حاصل شدہ تمام بنیادی حقوق میں ہر باشندہ برابر کا حق دار ہے۔

۷- حدودِ مملکت میں رہنے والے تمام باشندوں کو اپنی زبان اور اپنی تہذیب و تمدن کو زندہ رکھنا ہر فرد اور ہر فرقے کا بنیادی حق ہے۔

۸- اپنے مذہب و ملت کے مطابق زندگی گزارنا اور اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنا ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔

بین الاقوامی تحفظات:

۱- خود مختار علاقے بنائے جائیں اور ان علاقوں میں بسنے والے باشندگان کو بنیادی حقوق کی آزادی حاصل ہو۔

۲- یہ خود مختار علاقے اپنے معاملات میں خود مختار اور آزاد ہوں۔

۳- ہر بنیادی خود مختار علاقے کے پاس اس قدر طاقت ضرور ہونی چاہیے جس سے وہ اپنے

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہی جیسی ریاست کا مقابلہ کرسکنے کی سکت رکھتا ہو۔

۴- یہ تمام خود مختار علاقائی یونٹ کسی ایسے بین الاقوامی نظام میں منسلک ہوں جو فوجی طاقت کے لحاظ سے کسی ایک اقتدار اعلیٰ کا مالک و حاکم ہو۔

۵- اس اقتدار اعلیٰ کی حامل شخصیت کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ کسی مخصوص مذہب یا کسی خاص تہذیب کو کسی دوسرے پر مسلط کردے جس سے وہ اپنی آزادی کو مخدوش خیال کرنے لگیں۔

۶- اس اقتدار اعلیٰ کی حامل شخصیت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے ماتحت کسی ریاستی یونٹ کو کسی دوسرے ریاستی یونٹ کی تہذیب یا ان کے مذہب پر حملہ کرسکنے سے مانع ہو۔

۷- اس یونٹ میں شامل اور اس اقتدار اعلیٰ کی حامل شخصیت مکمل طور پر اس بات کے پابند ہوں گے کہ اگر باہر سے ان پر کوئی حملہ آور ہو تو اس کا سب مل کر تدارک کریں گے۔

۸- جہاد ایک مقدس فریضہ ہے اس کا مقصد انسانیت کی ذہنی اور روحانی ترقی میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی عملی کوشش کرنا ہے اور ہر فرد اپنے مقدس اصول کے قیام و نفاذ کے لیے اپنے اندر جذبہ فدائیت پیدا کرے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی ہستی کو اس اصول کے لیے قربان کردینے کو سعادت و مسرت خیال کرے۔

دینی اور مذہبی اصول:

۱- دین اور اصل سچائی کی بنیاد ایک ہے اور اس سچائی کو پیش کرنے والی تمام شخصیات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

۲- داعیان صداقت ہر ملک و قوم میں گزرے ہیں ان سب کا احترام کرنا تمام باشندگان ریاست کی ذمہ داری ہے اور ان کے احترام کا تحفظ ریاست کی بنیادی اور اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۳- سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام مذاہب اور فرقوں میں مسلمہ ہیں جن میں اپنے

پروردگار کی عبادت، اس کے لیے نذر و نیاز دینا، صدقہ و خیرات کرنا، مخصوص مقامات کی زیارت کو جانا اور سال میں ایک بار روزہ رکھنا یہ سب کام سارے لوگوں کے لیے اچھے ہیں لیکن عملی صورتیں مختلف ہیں۔

۴- ساری مہذب دنیا کے سماجی اصول اور ان کا منشا اور مقصد ایک ہی ہے مثلاً:
ہر ایک مذہب اور فرقہ جنسی انارکی کو ناپسند کرتا ہے اور اس قسم کے جرائم کو اخلاقی جرم سمجھتا ہے۔

۵- جنسی تعلقات کے لیے مرد و عورت میں ایک معاشرتی معاہدہ، ہر فرقہ ضروری قرار دیتا ہے اس کے بغیر کسی بھی قسم کے جنسی تعلقات خواہ ہم جنس کے ساتھ ہوں یا جنس مخالف یا نوع مخالف کے ساتھ کبھی اور کسی صورت میں جائز نہیں ہیں۔ البتہ آپس کے معاہدے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۶- ہر مذہب و ملت کے تمام افراد اپنے مردوں کو نظروں سے اوجھل کرنے کو لازم جانتے ہیں لیکن ان کے عملی صورتوں میں اختلاف ہے ریاست ہر ایک کو اپنی روایات اور مذہب کے مطابق عملی جامہ پہنانے کی اجازت دے گی۔

تعلیمی افکار و نظریات:

ویسے تو شاہ ولی اللہ اس زمانے کے نابغہ روزگار اور ایک عبقری شخصیت اور مجددیت کے منصب پر فائز ہستی ہیں اور ان کے افکار و نظریات کا احاطہ بہت مشکل کام ہے لیکن تعلیمی و تدریسی، تصنیفی و تالیفی افکار کو مختصر انداز میں پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جیسے دوسرے علمی میدانوں میں شاہ ولی اللہ ایک بے مثل شخصیت کے طور پر ہمارے سامنے ہیں۔ اس میدان میں بھی ان کا کوئی شریک اور ان کے مشابہ کوئی شخصیت نظر نہیں آتی اور ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ شاہ صاحب نائب نبوت کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے اپنے افکار کی بنیاد ان اساسی منہج پر رکھتے ہیں جہاں سے انبیائے کرام کسب فیض کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام افکار میں فطرت انسانی سے کبھی راہ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ فطرت اور عقل کی موافقت میں ایسے راہنمائی پیش کرتے ہیں جس سے انسان اپنی انسانیت سمیت راہ راست پر چلنے لگتا ہے۔ انسانی اقدار کی ترقی کے لیے انسان کی معاشی خوشحالی شاہ ولی اللہ کے افکار کا خاص موضوع ہے۔

شاہ ولی اللہ ہرگز افادیت پرست (Utilitarianism) یا لذتیت پرست (Hidonism) قسم کے نظریات کے حامل نہیں اور نہ ہی کسی ایسے فکر و فلسفہ کی حمایت فرماتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی ایسے فلسفے کے علمبرداروں کے متبعین میں شمار ہوتے ہیں بلکہ شاہ صاحب کا زمانہ دنیائے فکر میں ایک نئی طرح کا زمانہ ہے اس لیے شاہ صاحب اسلامی فکر و فلسفہ کی ایک نئی طرح کے بانی اور مجدد کے منصب پر فائز تھے۔ شاہ صاحب نے انسان کو معاشرت میں ایک اعلیٰ مقام دیا آپ کے نزدیک صرف گوشت پوست کے مجموعے کا نام انسان نہیں بلکہ اس ظاہری انسان کے پس پردہ ایک حقیقی انسان بھی موجود ہے جس کو بقول شاہ صاحب "نفس ناطقہ" کہا ہے یہی نفس ناطقہ ہے جو انسان کو باقی حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک جس طرح ظاہری جسم بعض قویٰ اور صلاحیتوں کا مرکز و محور ہے اسی طرح انسان کا نفس ناطقہ بھی بعض صلاحیتوں کا مرکز و محور ہے اور جس طرح ظاہری جسم پانچ قویٰ ظاہرہ پر قائم ہے جیسے دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا، سونگھنا وغیرہ اسی طرح نفس ناطقہ کے پانچ باطنی حواس ہیں جو قلب، روح، سر، خفی، اخفی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک حصول علم کے ذرائع:

شاہ صاحب حصول علم کے لیے جہاں تجربات کو ایک ذریعہ علم مانتے ہیں اسی طرح ان کے نزدیک انسان کے نفس ناطقہ کے حواس باطنی بھی حصول علم کا ایک اہم ترین ذریعہ ہیں اور تیسرا ذریعہ علم باوحی ہے اور انسانی تعلیم و تربیت کے لیے جس طرح ظاہری حواس مدد و معاون ہوتے ہیں اسی طرح اس کے باطنی حواس بھی تعلیم و تربیت کا ایک اہم ترین عنصر ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان اس شخصیت کو کہتے ہیں جو اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہے اور مخصوص الفاظ بول کر

اس سے مفہوم بیان کر سکتا ہے۔ وہ سوچ سکتا ہے بات کو سمجھ سکتا ہے زبان کے ذریعے اور تحریر کے ذریعے وہ اپنا مدعا بیان کرنے پر قادر ہے، وہ اپنے منطقی تقاضے سامنے رکھتے ہوئے رفاہ عامہ کے کام کرتا ہے وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں ذوق و جمال کا خاص خیال رکھتا ہے۔ گویا اس بات کو مختصر بیان کرنا چاہیں تو شاہ صاحب کے نزدیک پانچ اوصاف ہیں جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتے ہیں۔

ملکوتی قوت: یہ انسان کے اندر ایک مخفی قوت ہے جو انسان میں ان دیکھی باتوں اور اشیاء میں تجسس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اور انسانوں کو کائنات کے مخفی رازوں کی دریافت کے درپے ہونے میں مدد کرتی ہے۔

اکتسابی ادراک: اس صلاحیت کے ذریعے انسان ذاتی غور و فکر کرتا ہے اور تجربے کی بنیاد پر علم حاصل کرتا ہے۔

قوت ایجاد: انسان اپنی ضرورت اور حالات کی مناسبت سے اپنی اشیاء ضروریہ کی اختراع و ایجاد کر سکنے کی اپنے اندر بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

رفاہیت عامہ: انسان میں دوسروں سے محبت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا گیا ہے جس کی بنا پر یہ دوسروں کے مفاد و رفاہیت کے کام سرانجام دیتا ہے۔

حب جمال: ہر شے اور ہر عمل میں اور باہمی تعلقات کے ہر موڑ پر انسان اپنے تمام احوال میں لطافت، نفاست اور حسن و خوبی کا خاص خیال رکھتا ہے۔

حب جاہ: ایک انسان دوسرے انسانوں میں کسی ایک آدھ صلاحیت میں زیادہ ہو تو اس کے اظہار اور اس پر دوسروں سے تعریف و توصیف کا خواستگار ہوتا ہے۔

تفاوت قویٰ: انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں پیدا کی ہیں اس میں کوئی انسان یکساں نہیں ہے بلکہ عقل، مزاج اور غور و فکر میں ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک مادی دنیا ایک حقیقت مسلمہ ہے۔ وہ کسی تشکیکیت یا کسی لاادریت (Agnosticism) کے قائل نہیں ہیں بلکہ شاہ صاحب انسان کے طبعی وجود کو

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مانتے ہوئے مابعد الطبعیات کو بھی ایک مسلمہ حقیقت مانتے ہیں اور ان کے بنیادی تقاضوں کا بھی خیال کرتے ہیں۔ اس لیے انسانی زندگی میں پورے نظریات اور عقائد کے پورے نظام کو تسلیم بھی کرتے ہیں بلکہ اس فکر میں ایسا اضافہ بھی فرماتے ہیں جس سے بعید از عقل تعبیرات عقل کے شکنجے میں مکمل فٹ ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان عقائد و نظریات کا اصل محور وہ سارا مابعد الطبعیاتی وجدان ہے۔

تعلیمی اصول و مقاصد: شاہ صاحب مسلمانوں میں سیاسی معاشرتی اور معاشی و تعلیمی لحاظ سے انقلاب کے روح رواں تھے لیکن ان کا انقلابی نظریہ لادینیت پر مبنی نہیں تھا۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب تین بنیادی تصورات پیش فرماتے ہیں۔

پہلا بنیادی تصور: یہ ہے کہ ان کے نزدیک پورے انقلابی نظریات میں دین کی فہم و اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انسانی زندگی کی اصل اور مکمل راہنمائی دین کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک انسانی عقل زندگی کے کسی موڑ پر بھی دین سے بیگانہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ ایک راہ کے دو راہی ہیں یا ایک میدان کے دو مسافر ہیں۔

دوسرا بنیادی تصور: یہ ہے کہ معاشرتی امن و امان اور تعمیر ترقی کے لیے اہل علم و سیاست کے مابین مفاہمت از حد ضروری ہے۔ اگرچہ دونوں کا میدان عمل جدا ہے اور اپنے اپنے دائرہ کار میں دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مفاہمت کے ساتھ کام کرنا چاہیے نہ کہ وہ ایک دوسرے کے مد مقابل ہو کر کام کرنے لگیں۔

تیسرا بنیادی تصور: یہ ہے کہ انسان کا مقصد اصلی یہ ہے کہ وہ دائمی اور ابدی سعادت کے حصول کی بھرپور کوشش کرے۔ اس کے لیے تمام حیواتی قوتیں، نفسانی خواہشات، نفس ناطقہ کے تابع ہو جانے سے سعادت کا راستہ واضح ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں شاہ صاحب کے نزدیک مقاصد تعلیم یوں بیان کیے جا

سکتے ہیں:

۱- جو تعلیم وہاں کے ماحول میں دی جانی چاہیے وہ ایسی ہونی چاہیے جو اس علم کے حاصل کرنے والے افراد کی نوعی خوبیوں کی نشوونما میں معاون ہو۔

۲- اور وہ تعلیم انسان کی انفرادی طور پر طبعی اور حیاتیاتی ضروریات کی تکمیل کا باعث ہے۔

۳- اس تعلیم کو معاشرے کے ہر فرد کی نفسیاتی ضروریات (عزت نفس، خود اعتمادی، خودداری) کی تسکین و تکمیل کا باعث ہونا چاہیے۔

۴- اس نظام تعلیم کو انسانی شخصیت کی تشکیل سازی میں ذہنی، جسمانی، روحانی، جذباتی اور اخلاقی غرض یہ کہ ہر اعتبار سے متوازن نشوونما کا حامل ہونا چاہیے۔

۵- اس تعلیم کو انسانی افکار میں کسی بھی وجہ سے پیدا ہونے والے ناگزیر خطرات کے خلاف فرد کی انفرادیت اور معاشرے کی اجتماعیت کا تحفظ فراہم کرنا لازم ہے۔

۶- اس تعلیم کو انسانوں کی عائلی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں سیاسی رفاہیت کا مکمل اہتمام کرنے کی استعداد بھی پیدا کرنی چاہیے۔

۷- اس تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ معاشرے کے تمام افراد کے درمیان ایسی دوستی، خیر سگالی کا فروغ پیدا کرے جس میں تمام فقہی مسالک میں ربط و اتحاد شامل ہو جائے۔

۸- وہ تعلیم طلباء میں تقلید محض کی بجائے تخلیقی اور مجتہدانہ صلاحیتوں کے اجاگر کرنے میں ممد و معاون ہو۔

۹- وہ تعلیم اپنے طلباء میں تمام دینی علوم میں صرف روایت کی بجائے زمانہ جدید کے تقاضوں کی دریافت اور اس پر قرآن و سنت کے اطلاق کی بھرپور صلاحیت پیدا کرنے کے قابل ہونی چاہیے اور جہاں ضرورت پیش آئے وہاں ان کے احکامات کو علم فقہ کے طریقہ کار میں نئے سرے سے مرتب کرنے کی صلاحیت پیدا ہونی چاہیے۔

۱۰- شاہ صاحب کے پیش کردہ اس نظام تعلیم میں علوم قدیم، علوم جدید، علوم وحی اور علوم عقلی میں باہم ربط و تعلق اور باہم امتزاج پیدا کیا جانا لازمی اور ضروری ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصنیف وتالیفات:

شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد بقول محمد حنیف گنگوہی پینتالیس اور نسیم احمد فریدی کی تحقیق کے مطابق جو راقم کی نظر میں درست ہے اس میں تمام مخطوطہ ومطبوعہ بھی شامل ہیں۔ ان تصانیف کی تعداد ۶۱ (اکسٹھ) ہے۔ امام شاہ ولی اللہ کی تصانیف کو مفصل انداز میں تو جناب نسیم احمد فریدی نے اپنی تصنیف "شاہ ولی اللہ کے نادر مکتوبات" شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں ذکر کیا ہے اور اس کے اجمالی تذکرے کی غرض سے چند الفاظ پیش خدمت ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ کی تصانیف کو بنیادی طور پر ہم چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا حصہ: بالکل ابتدائی زمانے کی تصنیفات جس میں یہاں کے روایتی خانقاہی نظام اور تعلیم وتعلم کا موضوع بنایا گیا تھا اس کی حد بندی ہم یوں بھی کر سکتے ہیں کہ وہ تمام تصنیفات جو آپ کے سفر حرمین شریفین سے پہلے کی تصانیف ہیں ان میں الامداد فی مآثر الاجداد، انفاس العارفین، آثار الولی وغیرہ شامل ہیں۔

دوسرا حصہ: ان تصانیف کا ہے جو خالص فکری اور فلسفیانہ نوعیت کی ہیں اور ان تصانیف میں امام شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے لیے نئے زمانے اور نئے حالات کے تناظر میں پیش آنے والے مسائل اور ان کا حل پیش فرمایا ہے۔ اس میں ہمعات، الطاف القدس، سطعات، لمحات، بدور بازغہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور بقول مولانا عبید اللہ سندھی اگر کوئی شخص شاہ ولی اللہ کا فکر وفلسفہ سمجھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ یہ پانچ کتب کا مطالعہ کرلے۔

تیسرا حصہ: ان تصانیف کا ہے جو روایتی فکر میں ایک اضافہ تھا۔ جیسے موطا کی شرح المسوی اور المصفی اور حزب البحر کی شرح ہوامع۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی عقلی توجیہات کے بارے میں آپ کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ اور اسلامی تاریخی ارتقاء کے بارہ میں اولین اصول ازالۃ الخفاء وغیرہ کی صورت میں جو مواد مرتب فرمایا تھا۔ یہ آپ کی مذکورہ تصنیف میں قابل ذکر ہیں۔

چوتھا حصہ: اس حصے میں وہ تصانیف شامل کی جاتی ہیں جو شاہ صاحب کی نہیں بلکہ ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں اس میں تحفۃ الوحدین، البلاغ المبین، قول سدیدہ، قرۃ العینین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان تصانیف کے مضامین سو فی صد درست ہونے کے باوجود بھی ان کی امام شاہ ولی اللہ کی طرف نسبت درست نہیں ہے۔

شاصاحب کا مقام:

آخر میں ہم شاہ صاحب کا وہ مقام جو انہیں الہامات کے ذریعے اُمت محمدیہ میں عطا کیا گیا۔ اس کا اجمالی تذکرہ کر دیتے ہیں تاکہ یہ بات عیاں ہو جائے کہ اس زمانے میں کوئی بھی تبدیلی آئی یا لائی جاتی مقصود ہو تو اس کا واحد ذریعہ شاہ ولی اللہ کی شخصیت اور ان کے افکار ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مقام ومرتبہ اس دنیا میں روحانی طور پر آپ کو عنایت فرمایا تھا اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں۔

۱- مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا 'ناطق'، 'حکیم'، 'قائد' اور 'زعیم' بنایا۔ (تفہیمات)

۲- میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے۔ افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہوں۔ (تفہیمات)

۳- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں 'قائم الزمان' ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لیے مجھے آلہ کار بناتے ہیں۔ (فیض الحرمین)

۴- حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس بندہ ضعیف پر یہ ہے کہ اس کو خلعت 'فاتحیہ' بخشا گیا اور اس آخری دور کا افتتاح اس سے کروایا گیا ہے۔ (حجۃ اللہ)

۵- خداوند تعالیٰ نے ایک وقت میں میرے قلب میں میزان پیدا کر دی جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں جو اُمت محمدیہ میں واقع ہوا اور اس کو بھی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے اور خدا نے مجھے یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس میں کسی قسم کا شبہ اور اشکال باقی نہ رہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ)

اور اس قسم کے بیسیوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں جو نہ بطور تعلّی، خود ستائی، نہ بطریق فخر و غرور بلکہ یہ بطور تحدیث نعمت و تحمید الٰہی کے بیان کیے جاتے ہیں۔

وللہ الحمد اولاً و آخرۃً دائماً و سرمداً الی ما لانہایۃ

فصل اصول افادہ واستفادہ

ارا کین دانشمندی:

علم اصول تعلیم اسلامی کے حصول کے لیے کل پانچ بنیادی ارکان ہیں:

(۱) علم اصول مناظرہ (۲) علم اصول تدریس (۳) علم اصول تلمیذ

(۴) علم اصول تصنیف (۵) علم اصول مطالعہ

ان کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

رکن اوّل: اصول مناظرہ ومباحثہ:

اس فن کا علم حاصل کرنے کی غرض اس میں یہ ہے اس فن کے ماہر شخص کے لیے مذکورہ موضوع پر کسی غیر کے ساتھ بحث و مکالمہ کرنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے اور یہ اصول عام طور پر علم کلام میں استعمال ہوتا ہے یا کسی باطل عقائد ونظریات کے حامل شخص کو اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے راہ راست پر لانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اور اگر ہمیں کسی ایسے شخص کو تعلیم دینا مقصود ہو جو ہماری ہر بات کے اصول کا انکار کرتا ہو، اس کو جس انداز سے تعلیم دی جاسکتی ہے وہ انداز علم مناظرہ کہلاتا ہے اور اس کے ذریعہ علمی استفادہ اور افادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

رکن دوم: اصول تعلیم وتدریس:

اگر مخاطب معلم یا استاد کی بات کو اصولی طور پر تو مانتا ہے اور سمجھتا بھی ہے مگر وہ اپنے اندر اس قسم کی استعداد پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اس میں ابلاغ کا ملکہ پیدا ہو جائے اس کے لیے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تدریس کے اصول جاننا ازحد ضروری ہے۔

اس فن میں طلبائے کرام کی علمی پیاس بجھانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ استاد، طالب علم کو فائدہ پہنچانے کی نیت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اخلاص و للہیت بھی رکھتا ہو اور وہ تعلیم یا تدریس علم کے مقصد میں حائل تمام رکاوٹیں دور کرنے کے بعد اس میں مشغول ہوا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو سکے گا تو استاد یا طالب علم کے ذہن میں پراگندگی کی وجہ سے نہ تو کسی کو صحیح طور سے علمی فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس سے آگے فائدہ پہنچانے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ تعلیم انبیاء کا اُسوہ اور طریقہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ لہٰذا اساتذہ کے لیے کچھ خاص باتیں ہیں جن کو دورانِ تعلیم و تدریس پیشِ نظر رکھنے سے منصب نبوت کی نیابت کا مقام میسر آ سکتا ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نیابت انبیاء:

اُستاد کی ذمہ داری ہے کہ طلباء میں یہ شعور بیدار کرے کہ وہ عالم بننے کے بعد نائب انبیاء کے منصب پر فائز ہوں گے اور نائب بننے کے لحاظ سے ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ براہ ہونے کے لیے ان کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ اور وہ ان ذمہ داریوں کو کیسے پورا کر سکتے ہیں۔

(۲) خالق و مخلوق میں رابطہ:

خالق کائنات اللہ کی ذات ہے اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے کنبے کی مانند ہے اور اس خالق و بندوں کے مابین ربط کیسا اور کیسے ہونا چاہیے اس کا طریقہ کیا ہے اور اس کے اختیار نہ کرنے کا کیا نقصان ہے۔ خالق و بندے کے مابین ربط قائم کر سکنے والی باتوں سے آگاہ کرنا تعلیم کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک ہے بلکہ اصل مقصد ہی یہ ہے اور یہ مقصد اُستاد کے کامل ہونے اور اس کی تعلیمی عمل میں دلجمعی اور دلچسپی اور یکسوئی سے آسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳) جذبہ تسخیر کائنات:

طلبہ میں اس بات کا جذبہ بیدار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی کائنات کو اگرچہ ہم جان تو نہیں سکتے لیکن اس کے جاننے کی فکر کرنا ہمارا دینی، تعلیمی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ یہ تفکر و تدبر اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُستاد میں خود وسعت نظر اور بے کراں وسیع فکر ہو اس کے بغیر یہ مقصد حاصل کرنا ناممکن ہے اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے حضرت قاسم نانوتوی کی کتب کا مطالعہ اور امام شاہ ولی اللہ کے افکار سے آگاہی ہر دور کے طلباء اور اساتذہ کے لیے بہت مفید ہے۔

(۴) معاشرہ کی ترقی و تنزل کا علم

(Stages of Social Development and aptitude)

یہ حصول تعلیم کے بنیادی مقاصد میں سے اہم ترین مقصد ہے تاکہ طلبہ کو معاشرتی ترقی کے لوازمات معلوم ہو جائیں اور بقول امام ولی اللہ دہلوی اس کے چار مدارج ہیں اور انہی مدارج کو فلسفہ شاہ ولی اللہ میں ارتفاقات اربعہ کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ذات و ماحول (تعمیر ذات یا تہذیب نفس) سے آگاہی حاصل ہونا
(۲) شہر و محلہ (تدبیر منزل) کے احوال سے آگاہی حاصل ہونا
(۳) ملک و باشندے (تنظیم اقوام) کے احوال سے آگاہی کا حصول
(۴) ممالک و نظام ہائے مملکت (سیاست مدن) سے آگاہی حاصل ہو۔

اور ان طلباء میں ایسا شعور بیدار کیا جائے کہ وہ کس طرح معاشرتی تنظیم سازی میں مفید رکن بن سکتے ہیں۔ اس کے لوازمات ان کے حصول کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

(۵) ترقی و تنزل کے اثرات:

یعنی طلبہ کو اس بات سے آگاہ کرنا کہ معاشرے کی ترقی کیا ہے۔ اس سے حاصل ہونے والے فوائد کیا ہیں اور اس کی تنزلی Decline کیا ہے اور اس تنزلی کے نقصانات اور اسباب و عوامل کیا ہیں۔ جیسے حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ نے حضرت امداد اللہ رحمۃ اللہ کو

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"بری اقتصادی حالت اور تباہ حال معیشت جسم اور روح دونوں کو تباہ کر دیتی ہے"

اور اس طرح ترقی کرنے اور تنزلی سے نکلنے کے اسباب و عوامل سے طلباء کو آگاہ کرنا اور جو اس بارے میں مختلف افکار پیش کیے گئے ہیں ان سے موازنہ کرنا۔

(۶) آداب معاشرت:

طلبہ کو معاشرتی آداب سکھانا تاکہ مختلف قسم کے ماحول میں جا کر ان کی آنکھیں خیرہ ہونے اور چندھیانے کی بجائے خود اعتمادی اور جرأت سے بات کرنے کا جذبہ قائم رہے اور معاشرتی زندگی خود صحیح اوصاف کے ساتھ گزارنے کے ساتھ ہر قسم کے ماحول میں دوسروں کے لیے راہبر و راہنما کا کردار پیش کر سکیں۔

(۷) انسانوں سے ہمدردی کا جذبہ:

طلبہ میں انسانی زندگی سے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا۔ کیونکہ یہ جذبہ محبت، انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر ہمارے درمیان آتے ہیں اور انسان کی اصل بھی یہ جذبہ محبت اور انس ہے۔ تعلیم کے ذریعے یہ جذبہ انسانوں میں بیدار کرنا ایک بنیادی مقصد ہے اور اگر یہ جذبہ نہ ہو تو پوری دنیا نفرت اور دشمنی سے بھر جائے گی۔

(۸) قومی اور بین الاقوامی حالت سے واقفیت:

دنیا کی مختلف اقوام و ملل کے رسم و رواج، دوسرے مذاہب، ان کی تعلیمات و افکار، ان کی مقدس شخصیات سے بقدر ضرورت آگاہی اور دوسری زبانوں سے آشنائی اور اپنی تہذیب و تمدن کا دوسری اقوام کے تہذیب و تمدن سے بنیادی فرق اور موازنہ معلوم ہو جائے تاکہ مختلف تہذیب و ثقافت کے ملاپ کے وقت طالب علم مرعوب ہو کر اپنی تہذیب سے کنارہ کشی نہ کر لیں۔ جیسا کہ آج کی دنیا میں بالعموم یہ بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ بہت سارے لوگ اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جا کر عموماً وہاں کے لوگوں کے چال ڈھال اور عادات و

اطوار اور تہذیب و ثقافت کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اسی کتاب کا تیسرا حصہ مرتب کیا گیا ہے جو یقیناً اہل علم کے فائدہ اور طلباء کی ذہنی آسودگی کا اہم ترین ذریعہ ہوگا۔

(۹) احساسِ ذمہ داری کی تکمیل:

تعلیم کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان میں احساس ذمہ داری اور اس کا شعور پیدا ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس ذمہ داری کو پورا کرنا کس قدر؟ اور کیوں ضروری ہے؟ اس کو پورا کرنے سے کیا؟ اور کس کو؟ اور کتنا اور کب فائدہ ہوتا ہے؟ اور اگر پورا نہ کیا گیا تو کیا؟ اور کس کو؟ اور کتنا؟ اور کب؟ اور کیسے نقصان ہو سکے گا؟

(۱۰) خدمت خلق کا فریضہ:

تعلیم کا مقصد اس لحاظ سے مرتب ہو جانا چاہیے کہ تربیت کرنے یا مالی معاونت کرنے یا کسی سے یہ کام کروانے کا سلیقہ اور جذبہ بیدار ہو اور ہر طالب علم بلا کسی رنگ و نسل، زبان و زمان کی تمیز کے بغیر سارے انسانوں کی خدمت کرنا ان کی عادت بن جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الخلق عیال اللہ

اور اسی کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:

یہ پہلا سبق ہے کتاب ھدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

یہ بات ان کا شعار اور عادت ثانیہ بن جائے اور اس حدیث کے معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ایک سے برابری کا سلوک کرے اور ہر ایک کے لیے پوری طرح معاون اور مددگار ثابت ہو سکے۔

(۱۱) تکمیل بانی ملکات:

اس خاصیت کے حصول کے مجموعی طور پر تین درجے ہیں:

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۱:۱) تضادات کا اختتام:

انسان کو تعلیم و تدریس، مطالعہ اور تجربہ سے جو معلومات حاصل ہوں وہ ان معلومات کو اپنی عقل کے ذریعے اس طرح ترتیب دے کہ ان میں باہمی تضاد اور تزاحم یا تعارض نہ رہے اور یہ صلاحیت ذہنی تربیت اور تکمیل پہلا درجہ ہے۔

(۱۱:۲) وہبی قوتوں کا حصول:

انسان کے وہبی قویٰ سے اس طرح مکمل بہرہ یاب ہونا کہ کائنات کے تمام اختلافات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تدبیر الٰہی کارفرما نظر آئے۔ اس مرحلہ میں عقل اور وجدان کی جنگ ختم ہو جاتی ہے اور یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کے مؤید اور مددگار ہو جاتی ہیں۔

(۱۱:۳) شرع اور وجدان میں موافقت:

شرع شریف اور قواء وجدانیہ میں ترتیب اور تکمیل ہو جائے اس مرحلہ میں دنیا کے تمام مسائل اور انقلابات میں قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اور اس درجہ کے کاملین کو راسخ فی العلوم کہتے ہیں اور اس درجہ پر فائز شخص کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اس دور میں قرآنی تعلیمات کو یوں پیش کرے کہ ان کی دوسرے مذاہب اور فلسفوں پر برتری خود بخود قائم اور ثابت ہو جائے۔

(۱۲) ماخذ شرع سے قریبی ربط:

علم حاصل کرنے والا ہر انسان تمام کاروبار زندگی میں آنے والی مشکلات میں شریعت کے بنیادی ماخذات سے استخراج اور استنباط کرے اور اپنی زندگی کے ہر قول و عمل میں انہی ماخذات سے توثیق حاصل کرے۔ گویا اس کی عملی زندگی اس کے تمام افکار کا ماویٰ و ملجا یہ شرعی ماخذات (قرآن، سنت، اجماع) بن جائیں۔

مذکورہ تمام اصول و ضوابط طلبہ کے سامنے قرآن و سنت اور امت کے اکابر و اعلام کے حوالے سے اُجاگر کیے جائیں تاکہ ان کی عادت ثانیہ بن جائے اور معاشرہ میں ترقی کا پہلو اُجاگر ہو۔

رُکن سوم: اصول تحصیل و تلمذ:

اگر مخاطب آپ کی بات مانتا تو ہے مگر اس بات کی حقیقت تک رسائی نہیں رکھتا اور حصول علم کے لیے وہ پہلے کچھ جانتا نہیں اس کو حصول علم میں جن مراحل سے گزرنا پڑے گا وہ اصول تلمیذ میں معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس فن میں طلباء کرام اپنی علمی پیاس اپنے اساتذہ سے حصول علم کے ذریعہ بجھاتے ہیں مگر ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ طلب علم کی نیت اور ارادے سے ہوں اور حصول علم کے مقصد میں حائل تمام رکاوٹیں دور کرنے کے بعد مشغول ہوں۔ ورنہ ذہن میں پراگندگی اور تشویش کی وجہ سے نہ تو صحیح طور سے علمی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔

رُکن چہارم: اصول تصنیف و صحافت:

اگر کوئی ایسا طالب علم جس کو ضروری علم تو حاصل ہو چکا ہو لیکن اب وہ اس میں اور وسعت و پھیلاؤ چاہتا ہے اور وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے تو اس کو ایسا انداز تحریر سیکھنا پڑے گا جو بہت جاندار ہو اور مخاطب کے لیے دلچسپی کا باعث ہو۔ اس کو آج کل کی اصطلاح میں اصول صحافت بھی کہتے ہیں یہ اصول فن صحافت میں سکھے جاتے ہیں اور یہ فن بھی دانشمندی کی ایک بنیادی شاخ ہے۔

کیونکہ کسی بھی طالب علم کو اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے تحریر کا ملکہ حاصل ہونا از حد ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا مدعا اپنی زبان کے ساتھ بیان کر کے ساتھ تحریر میں بھی اس کو بطریق احسن و خوبی بیان کر سکتا ہو۔

صحافت اپنے موجودہ انداز میں دور حاضر کی ایجاد ہے جبکہ قدیم زمانے میں اس انداز سے صحافتی طریقہ کار موجود نہ تھا اسی لیے اس فن کے اپنے اصول و ضوابط ہیں جو آئے دن ترقی کے مدارج طے کر رہے ہیں اور دور حاضر کے طلباء کو اس میں بھرپور صلاحیتوں کے جوہر دکھانے چاہئیں ورنہ تمام بے دین طبقہ اپنی بے دینی کی مسموم فکر کو عامۃ الناس تک پہنچانے کا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذریعہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور طلباء مدارس اسلامیہ اس سے بالکل کورے اور نابلد رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اشاعت دین ثواب کا کام ہے اسی طرح اس کے تمام ذرائع جس سے اس کی اشاعت عام ہو سکے ان کا حصول بھی باعث اجر و ثواب ہے اس لیے اس فن کے حصول میں طلباء کو خاص طور سے دلچسپی لینی چاہیے۔

فن صحافت میں مہارت اور اس کی افادیت اور ضروری لوازمات کی دانش اور فہم کے لیے مندرجہ ذیل اصول از حد ضروری ہیں۔

۱- ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ قلم کا شہسوار ہو اور کسی بھی موضوع پر کسی بھی وقت احسن طریقے سے اپنا مدعا بیان کرنے اور دوسروں کو بذریعہ تحریر مکمل رہنمائی پر قدرت کاملہ رکھتا ہو۔

۲- ان طلباء کے لیے ضروری ہے کہ اپنے زمانے میں رائج محاورے کی زبان سے مکمل طور پر آشنا ہوں۔

۳- ان طلباء کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی فکری میراث سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔

۴- ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمی رسوخ میں اس قدر مستحکم ہوں کہ کسی بھی موقعہ یا کسی بھی میدان میں اپنی بات لکھ کر یا بیان کرنے کی غرض سے کسی قسم کی الجھن کے بغیر دوسروں تک اپنا مدعا بیان کرنے پر مکمل قادر ہوں۔

۵- ان کو چاہیے کہ سہل نویسی اور محاورات حاضرہ، انتصار نویسی، شرح نویسی، اجمال کی تفصیل اور تفصیل کا اجمال، مہمل کا استعمال، مغلق کا انغلاق، ان کا استعمال اور اس کا ازالہ کرنے پر مکمل طور پر جانتے ہوں۔

۶- ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کو مختلف اقوام کی عادات و اطوار، ان کے رہن سہن کے طریقے، ان کی معاشرتی انداز زندگی اور اجتماعی انداز فکر اور ماضی حال اور مستقبل میں تفکر کرنے کا طریقہ کار اچھی طرح اور مکمل طور سے معلوم ہو جائے۔

۷- ان طلباء کے لیے ضروری ہے کہ ان کو نئے سے نئے بدلنے والے محاورے، نئی سے نئی استعمال ہونے والی اصطلاحات، درست نویسی اور زبان کا درست استعمال اچھی طرح معلوم ہو۔

۸- اور ان طلباء پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پیش کردہ کارناموں کو بطریق احسن جانتا ہو اور ان کو دوسرے فکر و فلسفہ کے لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور اس پر پیش آنے والی تنقید کا خندہ پیشانی سے جواب دینے کی ہمت اور سکت بھی رکھتا ہو اور اسی مقصد کے لیے ہم نے اس رسالے کا تیسرا حصہ مرتب کیا ہے۔ اگر اس کو بنظر غائر مطالعہ کر لیا جائے تو اس سے اسلامی اور یورپی (مغربی) فکر کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔

رُکن پنجم: اصول مطالعہ اور تحقیق:

اگر حصول علم کی تکمیل کے بعد کوئی صاحب مزید معلومات یا کسی خاص مقصد میں ایک نتیجہ تک رسائی حاصل کرنا چاہے یا کسی تحریر سے کوئی خاص عنوان اصول و ضوابط اخذ کرنا چاہے یہ اصول رسالہ دانشمندی کے باب مطالعہ و تحقیق کے اصول و مبادی میں سیکھے جا سکتے ہیں۔

اصول مطالعہ و تکرار، حصول علم کے بعد اس کو ترو تازہ رکھنا اور اس میں اضافہ کرتے رہنا یہ علم کا کسی بھی عالم پر لازمی حق ہے اور اس کے ادا نہ کرنے پر وہ عالم خائن ہونے کے ساتھ ساتھ حاصل شدہ علم کو ضائع کرنے کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ مطالعہ کی عادت ہو اور اکیلے مطالعہ سے بعض اوقات مسئلہ سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اس لیے کسی دوسرے صاحب علم کے ساتھ اس کا تکرار بھی لازم ہے اسی لیے ائمہ فن کا ارشاد ہے:

العلم یزید بالتکرار

علم کے تکرار سے علم میں اضافہ ہوتا ہے

اور مطالعہ و تحقیق کے بھی قواعد و ضوابط ہیں جن سے آگاہی علم دانشمندی یا علم اصول

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعلیم میں میسر آتی ہے۔ چونکہ اس علم کے اہم ترین رُکن طالب علم اور استاذ ہیں لہٰذا اس کے بارے میں بھی کچھ ضروری باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

مطالعہ و تحقیق کے اصول و مبادی میں سے چیدہ چیدہ یہاں درج ذیل کیے جاتے ہیں:

۱- کسی بھی چیز کے مطالعہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مطالعہ کرنے والا یا قاری زیر مطالعہ کتاب کو دیکھ کر اس کی اصل مراد کو کامل طور سے سمجھ جائے۔

۲- طالب علم میں مطالعہ کے ذریعے یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ کسی کتاب یا مضمون کا ترجمہ کرنے کا اہل ہو سکے اور اس قابل ہو جائے کہ دوسروں کے لیے اس میدان میں رہنمائی کا ذریعہ بن سکے۔

۳- یہ کہ دوران مطالعہ کسی مطالعہ کرنے والے یا تحقیق کرنے والے شخص کے استعمال ہونے والے متن یا کتاب کے اصل مفہوم اور اس کے معنی مقصودی یا معنی غیر مقصودی میں فرق معلوم ہو جائے اور اس مطالعہ میں جو بات کی گئی ہے اور جو بات نہ ذکر کی گئی ہو اس میں تمیز کر سکے۔ نیز دوران مطالعہ اس کو جملوں کی تفصیل اور اس میں بیان کردہ حدود و قیود کا پتہ چل جائے۔

۴- مطالعہ کے ذریعے زیر مطالعہ کتاب سے حاصل شدہ فوائد واضح طور پر معلوم ہو جائیں اور ان حاصل شدہ معلومات پر تصرف کرنا اور بیان کیے گئے دلائل اور ان کے مدعا کے درمیان ربط معلوم ہو جائے اور دوران تدریس سمجھی گئی اور نہ سمجھی گئی باتوں میں فرق واضح ہو جائے۔

۵- نہ جاننے والے طالب علم کے لیے بیان، شکوک میں پڑے ہوئے طلباء کے لیے اطمینان، بات کو غلط انداز میں جاننے والے کے لیے جواب اور طالب علم کے غلط طریقے سے سمجھے ہوئے مفہوم کو درست قرار دینے اور اس کے درست معنی پر اچھی نظر حاصل ہو جائے۔

مطالعہ کے بنیادی اور اہم ترین مقاصد اس رسالہ دانشمندی کے اصول کلیات کو بطور

متن اور اس میں ضروری اور عملی تشریحات کو بطور حاشیہ کے درج کیا گیا ہے۔

آخر میں اللہ جل شانہ سے دست بستہ دعا کرتے ہیں، ہمیں اس عمل میں اخلاص نصیب فرمائے اور ہماری اس محنت کو تمام معلمین اور متعلمین کے لیے یکساں مفید بنائے اور اس عاجز اور اس کے والدین کریمین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور وہ تمام مشائخ اُمت جن کے ذریعے تعلیم و تعلم کا فیض جاری ہوا ہے ہمیں ان کی تابعداری نصیب فرماتے ہوئے اور ہم سب کو نبی علیہ السلام کی جانشینی کے اہل بناتے ہوئے، ہم سب کے درجات بلند فرمائے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ کی حقیقت

مقدمہ کا لفظ قدم سے بنا ہے اس سے آگے ہونا یا پہلے آنا مراد لیا جاتا ہے۔ انسان کے پاؤں کو قدم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے باقی جسم سے پہلے اور چلنے میں آگے ہوتا ہے اور یہاں لفظ مقدمہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا جاننا کسی کتاب یا کوئی علم شروع کرنے سے پہلے اس کی افادیت زیادہ کردے۔ لہٰذا مقدمے کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم مقدمہ کتاب اور دوسری قسم مقدمہ علم ہے اور ہم مقدمہ علم کی توضیح کو اس کے عموم کی وجہ سے مقدمہ کتاب پر مقدم کرتے ہیں۔

(ا) مقدمہ علم

مقدمہ علم کا مطلب وہ باتیں ہیں جس میں ایسی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جو پڑھائے جانے والے علم کا دوسرے علوم سے ربط اور اس علم کے جاننے اور بعض دوسرے علوم کے نہ جاننے سے جو فائدے یا نقصان ہوتے ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے اور اس علم کے جاننے کے بعد دوسرے علوم کو جاننا کس قدر آسان اور مفید ہے اور مختلف علوم کے مجمع میں اس علم کا دوسروں سے کیا ربط و تعلق ہے۔ یہ تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور فن دانشمندی میں جن چیزوں کا جاننا اہمیت کا حامل ہے وہ خاص طور سے مندرجہ ذیل ہیں:

موضوع:

فن دانشمندی کا موضوع کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں:

الْعِلْمُ الْمُدَوَّنَةُ من حيث تُستفادُ و تُفادُ

فن دانشمندی سے ہماری مراد ایسا تدوین شدہ علم ہے جس کا مطالعہ اس حیثیت سے کرنا کہ ان سے استفادہ ذاتی اور افادہ عام حاصل ہو جائے۔ یہ بات علم دانشمندی کا موضوع ہے۔

واضع اوّل:

اس فن کے پہلے واضع اور بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلم بنا کر بھیجا گیا اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

بے شک مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے

اور بعض حضرات نے افلاطون کو معلم اوّل اور علم اصول تعلیم کا بانی قرار دیا ہے۔

غرض وغایہ:

غرض وغایت کی اہمیت وافادیت کے بارے میں شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ غرض وغایت یہ ہوتی ہے۔

وهي بيان الحاجة الملئة الى تدوينه وتصنيفه

اس فن کی بنیادی ضرورت بیان کرنا جو اس موضوع پر کتاب کے لکھے جانے اور اس علم کی تدوین کی اصل وجہ بنی ہے۔

اور علم دانشمندی کی غرض وغایت یہ ہے:

الْغَوْصُ فِيْهَا عَلَى الْبَصِيْرَةِ وَالنَّجَاةُ عَنْ سُوْءِ الْفَهْمِ لمقاصدها وتمييز الباتها عن ذبابها و كسب الاقتدار المهارة فيها وتفريق كامل الكتاب والمعلم من ناقصهما فليرسم باحدهما

دانائی کے ساتھ اس میں غور وخوض کرنا تاکہ اس علم کا حاصل کرنے والا بدفہمی سے نجات حاصل کر سکے۔ عقل و بے عقلی میں تمیز کر سکے اور اس فن میں مہارت حاصل کر سکے اور کامل و ناقص استاذ کے ساتھ ساتھ کامل و ناقص کتاب میں تمیز کی جا سکے اور استفادہ کے لیے ان میں سے کسی ایک اہم ترین کتاب یا استاد کو چنا جا سکے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

فائدہ:

اس علم دانشمندی کا فائدہ یہ ہے کہ:

وتکمیل الناس فی العلوم بدونه لا ینفی فائدته کمجتهدی الامة واساطین الحکمة ومدققی الهنود والافرنج من المنطق۔

اور انسانوں کی تکمیل اس علم کے بغیر ناممکن ہو جیسے مجتہدین اُمت اور میدان حکمت کے شہسوار اور دقت نظر رکھنے والے ہندو پروہت اور فرنگی انداز فکر رکھنے والے منطقی، یہ سب لوگ اگرچہ علم تو رکھتے ہیں مگر علم کے اصل فائدے سے محروم ہیں اس لیے کہ علم کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی علمی تکمیل ہو اور اس کی علمی پیاس بجھ جائے۔

(۲) مقدمۃ الکتاب:

مقدمہ کتاب سے مراد طالب علم کے سامنے اس کتاب میں بیان کیے جانے والے مقصود اصلی کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا ہے۔ اس میں مشکل الفاظ کے معانی، مختلف نقشے، ماڈل اور تصاویر مسئلہ وغیرہ بیان کیے جاتے ہیں اور یہ مسائل بعض اوقات بنفس خود ذکر کیے جاتے ہیں اور بعض اوقات ان کا تذکرہ مجازی طور پر کیا جاتا ہے۔ یعنی ابتداء میں ہی طالب علم کو اچھے طریقے سے کتاب کا تعارف کروا دیا جائے تاکہ طلباء میں اس کتاب کی مناسبت کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی رغبت بڑھ جائے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ اس علم کو جاننے سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

کتاب کی اہمیت:

جب کتاب کا نام لیا جائے تو اس سے مقررہ الفاظ اور مرتب معانی مراد ہوتے ہیں جیسا کہ شاہ رفیع الدین نے فرمایا:

الکتاب هو عبارة عن الفاظ مقررة و معانی المرتبة

کتاب سے مراد ایسی عبارت ہے جس میں مخصوص الفاظ اور مرتب معانی کا تذکرہ کیا جائے اور اس سے استفادہ کر کے علمی اضافہ کیا جا سکے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ

سکتے ہیں کہ جب کسی کتاب کا نام ہمارے سامنے آئے تو اس سے کسی خاص علم کے مرتب الفاظ کے ذریعے مخصوص مسائل اور معین مطالب کھُلے مراد ہوتے ہیں۔

جیسے شاہ صاحب کا فرمان ہے:

وذلك عبارة عن مسائل مخصوصة ومطالب معينة

اس سے مراد ایسی عبارات ہوتی ہیں جس میں مخصوص مسائل بیان کرتے ہوئے معین مطالب تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے تاکہ اس سے طلباء کے علم میں اضافہ ہو۔

کبھی ایسی کتاب پڑھائی جاتی ہے جو متعدد علوم پر مشتمل ہوتی ہے یا متعدد ابواب پر مشتمل ہو، تو ان علوم اور ابواب کا آپس میں ربط بتایا جانا ضروری ہے۔

بعض اوقات ایک ہی علم پر متعدد کتب ہوتی ہیں تو ان کی اہمیت اور دوسری کتابوں پر اس کی وجہ ترجیح بتا دی جائے۔ کبھی کسی علم کی تدریس یا دوران تدریس کسی علم کا تذکرہ آ جائے جس پر کوئی کتاب مدون نہ ہوئی ہو تو اس کے بارے میں طلباء کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر اُبھارا جائے کہ وہ اس موضوع پر لکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔

بعض اوقات کوئی کتاب پورے علم کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس میں بعض جزوی مسائل کا ذکر کیا گیا ہوتا ہے اس صورت میں طلباء کو چند باتیں واضح کر دینی چاہئیں۔

(۱) اجمالی تعارف:

اس علم کا اجمالی تعارف یہ ہے کہ فن دانشمندی وہ علم ہے جو طالب علم کو ذہنی تشویشات سے نکال دے اور اس کے ساتھ کتاب کی افادیت کو عام کر دے تاکہ ذہن میں یہ تشویش نہ رہے کہ پوری کتاب پڑھائی جانے کے باوجود اس کو علم پر پوری طرح عبور نہیں ہو سکا اور اتنی بے فائدہ کتاب کیوں پڑھائی جاری ہے۔

(۲) غرض وغایت:

اس علم کی غرض وغایت کے ساتھ اس کتاب کا مقصد اور اس کی غرض وغایت کو واضح کر دیا جائے کہ اس کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

(۳)احوال مصنف:

کتاب شروع کرنے سے پہلے طلباء کو احوال مصنف اجمالی طور پر بتا دیے جائیں تا کہ طلباء کو معلوم ہو جائے کہ اس کتاب کا مصنف کس زمانہ میں گزرا ہے۔ اس سے بہت سارے سوالات ازخود حل ہو جائیں گے۔

(۴)زمانہ تصنیف:

اس کتاب کے لکھے جانے کا پس منظر اور زمانہ بتایا جائے کہ یہ کتاب لکھنے والے نے کس زمانہ اور کن حالات کے پیش نظر لکھی اور اس انداز سے کیوں لکھی اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

(۵)کتاب کا مقام:

اُس فن کی کتابوں میں اس کتاب کا مقام و مرتبہ طلباء کے سامنے بتانا بہت مفید ہے۔ لہٰذا اس فن کی بعض کتب کا تعارف کروا کر اس کتاب کا مقام متعین کر دیا جائے جو طلباء کے لیے مزید دلچسپی کا باعث ہوگا اور اس سے طلباء علمی فائدہ رغبت کے ساتھ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں گے۔

(۶)اعتدال:

دورانِ تعلیم طلباء کو کھانے پینے میں اعتدال، سونے جاگنے میں توازن سے آگاہ کرنا از حد ضروری ہے۔ اس راہ میں اعتدال کے بغیر تعلیم کے عمل میں کامیابی حاصل کرنا اگرچہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

(۷)اوقات کی اہمیت:

طلباء کو وقت کی قدر اور اوقات کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے کہ کس وقت کا تھوڑا مطالعہ زیادہ تھکا دیتا ہے اور کون سے وقت کا تھوڑا مطالعہ زیادہ فائدہ دیتا ہے اور عموماً مدارس میں اوقات کار اس بات کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً عصر کے بعد اگر کوئی شخص مطالعہ

کرے تو تھوڑے وقت میں ذہنی طور پر زیادہ تھک جاتا ہے اور مغرب کے بعد تھوڑے وقت میں زیادہ مطالعہ کر سکتا ہے۔ فجر سے پہلے کوئی مضمون سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ جبکہ فجر کے بعد کا وقت سبق یاد کرنے کے لیے آسان ہوتا ہے۔ اسی طرح عصر کے بعد کا وقت بھی سبق یاد کرنے کے لیے زیادہ بہتر ہوتا ہے مگر زیادہ تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے وغیرہ۔

(۹)اُستاد سے تعلق:

طلباء کو یہ بات ذہن نشین کروائی جائے کہ اُستاد سے ربط و تعلق ان کی علمی ترقی کے لیے از بس ضروری ہے اگر طالب علم تکبر میں رہنے کا عادی ہو تو کچھ علم حاصل نہ کر سکے گا۔ اُستاد خواہ عمر یا مرتبہ یا ذات میں کم تر ہو یا مالی اور دنیاوی جاہ و حشم میں طالب علم سے کہیں کم ہو۔ مگر وہ اس طالب علم سے اس لیے بڑا ہے کہ منصب نبوت یعنی تعلیم تعلم کے عمل پر فائز ہونے کی بنا پر نائب پیغمبر ہے۔ اس لحاظ سے اہل مدارس کو بھی چاہیے کہ اُستاد کی تعیناتی میں دیانتداری اور امانت داری کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُستاد کو متعین فرماویں۔ صاحبزدگی، سفارش، ذاتی مراسم، مالی معاملات کو پیش نظر ہرگز ہرگز نہ رکھیں۔ کیونکہ مدارس میں تعلیمی رجحانات اور معیار کی کمی کی اصل وجہ مذکورہ وجوہات میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ ہیں۔

(۱۰)تضیع اوقات:

طالب علم کے اوقات کا تحفظ اُستاد اور اہل مدرسہ کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا جن باتوں سے اس کا وقت ضائع ہوتا ہو اس سے نہ صرف متنبہ کرے بلکہ اس کا خیال بھی رکھے کہ طالب علم انجانے میں اس عمل میں مشغول نہ ہو جائے۔ ایسے کھیلیں کھیلنا، ایسی ناولوں کا دورانِ تعلیم مطالعہ کرنا اور ایسے مشاغل اختیار کرنا جو طالب علم میں یکسوئی میں حائل ہونے کا باعث بنتے ہیں ان سے مکمل اجتناب کرنے کی تلقین و نصیحت کی جائے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

فصل امور عشرہ ضروریہ

(برائے طلباء)

تدریس ایک ایسا عمل ہے جو دو اشخاص کے درمیان باہمی رضامندی ادب و احترام کے ساتھ واقع ہونے کا نام ہے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ سکھاتا ہے۔

اُستاد طالب علم کو اس کا سبق اور طالب علم اُستاد کو یہ باور کراتا ہے کہ آپ کا وقت کارآمد ہو رہا ہے یا ضائع ہو رہا ہے۔ اس عمل میں اُستاذ اور طالب علم دونوں کے لیے کچھ قواعد وضوابط ہیں جو استفادہ اور افادہ کے عمل میں حقیقی معنوں میں جان پیدا کر دیتے ہیں۔

(۱) تصحیح نیت اور قلبی توجہ:

چونکہ دین کا ہر پہلو عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور یہ عبادت کا درجہ دو وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پہلی یہ کہ نیت کی درستگی ہو اور دوسری یہ کہ حصول علم میں پوری طرح قلبی توجہ شامل حال ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من تعلم علماً مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه الا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عَرْفَ الجنة يوم القيامة (ابوداود، ابن ماجہ، الحاکم)

جو شخص ایسا علم حاصل کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہو اور اس کا مقصد اس علم کے ذریعے دنیا کا ساز و سامان سمیٹنا ہو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ

وريحها يوجد من مسيرة مائة عامٍ

جنت کی خوشبو تو ایک سو برس دور بھی محسوس ہوگی۔

مگر ریاکاری کرنے والا اس سے بھی دور ہوگا۔ اس لیے طلباء کو اولاً یہ چاہیے کہ اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ کہیں ان کے حصول علم کے در پردہ دنیا تو چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ ایسا علم حاصل نہ کرے جس سے دنیا یا اغراض دنیا مقصود ہوں ورنہ انسان کے لیے موجب نقصان اور اجر آخرت سے حرمان کا باعث ہوگا اور اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ دنیا میں اس کی عزت افزائی ہو یا اس کا نام بڑا ہو یا اس کو بڑے درجہ کے علماء میں شامل کیا جائے اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا باعث ہونا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ تو حصول دنیا کی ایک قسم ہے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد نبوی ہے

من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء أو يصرف به وجوه الناس اليه أدخله الله النار (الترمذی)

جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ علماء کی برابری کرے یا اس علم سے سادہ لوح لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرے یا اس سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اور ایسے علم کو سلف صالحین کی زبان سے ان الفاظ سے یاد کیا گیا:

انه فتنةٌ للمتبوعِ وذلةٌ للتابع

یعنی ایسا علم فتنہ ہے اس شخص کے لیے جس کی تابع داری کی جا رہی ہے اور ذلت کا باعث ہے اس شخص کے لیے جو تابع داری میں لگا ہوا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ اصلاح نیت اور قلبی توجہ علم کے حصول میں بنیادی اصول ہے جس سے آدمی ایسا علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جو اس کے لیے دنیا میں خدا کی رضا اور آخرت میں قرب باری تعالیٰ میسر آسکے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنما الاعمال بالنيات (بخاری)

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اگر نیت درست ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رضا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوششوں کو برکت والا بنائیں گے اس کو اجر دیتے وقت علماء جیسا حصہ نصیب فرمائیں گے۔ اس کے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اس کے ساتھ دنیاوی مشکلات میں آسانی والا معاملہ فرمائیں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب نصیب ہوگا۔ ملائکہ اس کو ہر وقت گھیرے رہیں گے اس کے پاؤں میں اپنے پر بچھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور پانی میں مچھلیاں اس کے لیے حفاظت اور عافیت کی دعائیں کریں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس خیر میں سے وافر حصہ نصیب فرمائے۔

(۲) استماع:

تعلیم کے عمل میں سننا اور سنانا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خالی کتاب پڑھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ تا وقتیکہ اس کو کسی سے سنا نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کریم پہلے جبرئیل علیہ السلام سے سنا اور ان کو سنایا تھا اور اس کے بعد اس کو جمع کیا اور یاد کیا تھا۔

(۳) تفہیم:

سمجھنا ایک خداداد صلاحیت ہے اور یہ سمجھ انسان کی تعلیمی اور عملی زندگی میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص سمجھ نہ سکے وہ کوئی اہم کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اسی لیے قرآن کریم میں سمجھ، تفکر، تدبر کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

(۴) صحت و تندرستی:

انسانی جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ ایک کے بیمار ہونے سے باقی اعضاء متاثر ہو جاتے ہیں اور کام کی رفتار سست ہو جاتی ہے اس لیے تعلیم کے عمل میں صحت مند ماحول از حد ضروری ہونا چاہیے۔

(۵) معاشی فکر سے ذہنی آزادی:

معاشی افکار سے آزادی خواہ قناعت پسندی کے ذریعے یا شوق اور محنت کے ذریعے سے ہو، خواہ تعلیم کے عمل پر اُبھارنے سے یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہو۔ کیونکہ معاشی پریشانی میں مبتلا شخص نہ تو خود کچھ حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی باقی طلبہ اور اُستاد کے لیے اچھا طالب علم ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مدارس کے ٹیوشن پڑھانے والے طلبہ یا رات کو چوکیداری کرنے والے طلبہ کے تعلیمی عمل کو دیکھ کر آسانی سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے اور ہمارے لیے اس بارے میں امام اعظم کی وہ نصیحت مشعل راہ ہے، جس میں امام ابو یوسف کو نصیحت فرمائی تھی کہ

"پہلے علم حاصل کرنا اور بعد میں مال کی طرف متوجہ ہونا۔"

(۶) درست اور بہتر علم:

بہترین علم اور اچھا اُستاد طالب علم کی زندگی کو چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے متاثر کرتے ہیں۔ جیسے امام بخاری کے اُستاد نعیم بن حماد نے ان کو متاثر کیا اور وہ باوجود اخلاص کے ساری زندگی امام ابو حنیفہ کی مخالفت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنی کتاب بخاری میں بھی امام ابو حنیفہ کا اسم گرامی ذکر کرنے کی بجائے صرف بعض الناس کہنے پر اکتفا کرتے ہیں جو یقیناً تعصب کی وجہ سے ہے۔

(۷) قابل اور مستعد اُستاد:

اُستاد ایسا ہونا چاہیے جو مناسب وقت پر، مناسب طریقے سے طلباء کو سمجھانے کا فن رکھتا ہو اور اس کا بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا بہترین نمونہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۸) علم اور اہل علم کی تعظیم کرنا:

بات کو سمجھنا اور اس کو یاد بھی کر لینا چاہیے۔ اگر یاد کر لیا جائے اور سمجھے نہیں اس سے کند ذہنی پیدا ہوتی ہے اور سمجھ جائے مگر یاد نہ کیا جائے اس سے فقاہت کا ملکہ پیدا نہیں ہوتا اور ان

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دونوں باتوں میں علم اور اہل علم کی تعظیم کا خاص لحاظ رکھا جانا از حد ضروری ہوتا ہے۔

(۹) اُستاد کے معاملہ میں حسن ظن:

طالب علم اُستاد کے ہر معاملہ میں حسن ظن رکھے۔ خواہ حسن ظن صرف ایک فن کے لحاظ سے ہو خواہ حسن ظن اس کتاب کے لحاظ سے ہو، یہ حسن ظن واضح اور حقیقی ہونا چاہیے۔

(۱۰) اُستاد کا محقق ہونا:

علم حاصل کرنے کے لیے اُستاد بھی ماہر اور محقق چنا جانا چاہیے خواہ اس اُستاد سے لالچ دے کر ہی سبق حاصل کیا جائے۔ کیونکہ بعض اوقات اُستاد ماہر فن تو ہوتا ہے مگر معاشی پریشانیوں سے اپنی بات صحیح طرح بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اس کو کچھ طمع اور لالچ دے دی جائے تو ذہنی اطمینان کے باعث طلبہ کو آسانی سے سمجھا سکتا ہے۔

(۱۱) رازداری کا عمل:

اگر اُستاد کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو عام بیان کرنے سے اس کی شرمندگی یا سبکی ہوتی ہو تو اس کا راز بھی رکھے۔ لوگوں کو نہ بتاتا پھرے، اصل چیز احترام معلم ہے، احترام جس قدر زیادہ ہو گا علم میں اتنی ہی زیادہ برکت ہو گی اور احترام کم ہونے سے علم کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی اصول کی وجہ سے شاگرد اساتذہ سے آگے نکل جاتے اور ترقی کر جاتے ہیں۔

فصل تعلیمی طریقہ کار کے لوازمات

(برائے طلباء اور اساتذہ)

۱- دوران تعلیم طلباء کرام میں یہ استعداد پیدا ہونی چاہیے کہ وہ کتاب کو درست طریقے سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے صحیح طرح سمجھ بھی سکیں۔

۲- طلباء جملوں کی صحیح پہچان اور ان کی ایک دوسرے سے تمیز کر سکتے ہوں تاکہ ان کے لیے اعراب اور معانی میں فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔

۳- اُستاد سے سبق سننے یا پڑھنے کے دوران طالب علم کا دل و دماغ لایعنی تشویشات و فرسودہ خیالات سے پاک ہو۔

۴- طالب علم میں بات سمجھنے کے لیے استقامت ہو اور ایسا نہ ہو کہ جی چاہا تو بات سمجھ لی نہ چاہا تو نہ سمجھی یا اگر بات سمجھ نہ آئی تو بددل ہو کر اس کو چھوڑ دیا۔

۵- طلباء میں دوران سبق اگر کوئی بات ادھوری یا ناقابل حل رہ گئی ہو تو اس پر سوال کرنے کی جرأت ہو اور اس کا ذہن نہ سمجھی ہوئی بات کی طرف خود بخود مائل ہو جائے تاکہ اس کے سمجھنے کی پوری کوشش کر سکے۔

۶- اگر طالب علم کو سبق میں کوئی شبہ پیدا ہو گیا ہو تو آداب کا خیال رکھتے ہوئے بروقت اُستاد کے سامنے سوال عرض کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۷- طالب علم اتنی استعداد کا مالک ہو کہ گزشتہ پڑھا جا چکا سبق اور موجودہ سبق کا ربط جانتا اور ذہن میں محفوظ رکھتا ہو۔

۸- ہر طالب علم کو چاہیے کہ اُستاد کے پاس سبق پڑھنے سے پہلے اس سبق کو ایک بار مطالعہ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرکے دیکھ لے تاکہ تدریسی عمل کے دوران زیادہ نظم ہو اور بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔

۹- ہر طالب علم پر لازم ہے کہ اپنے اُستاد سے سبق پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا تکرار کرے تاکہ بات مکمل سمجھ آجائے اور اس کی مراد واضح ہو جائے اور اس سبق کی اپنے ساتھیوں کے سامنے تقریر کرے تاکہ بات کا ابلاغ اور دوسروں کو بتانے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے۔

۱۰- ہر طالب علم پر لازم ہے کہ اپنے سبق کو اچھی طرح یاد کرے اور جو اُستاد نے پڑھایا ہے اس کو لکھ کر بھی محفوظ کرلے تاکہ بھول جانے کی صورت میں اس لکھے ہوئے سے استفادہ ممکن ہو سکے۔

۱۱- طالب علم اپنے پڑھے ہوئے سبق کا اپنے ذہن میں نقشہ بنالے تاکہ بھولنے نہ پائے۔

۱۲- ہر طالب علم پر لازم ہے کہ وہ ایسی تمام باتوں سے اعراض کرے جو ذہنی مصروفیت کا باعث بنیں یا دورانِ تعلیم ذہنی انتشار کا باعث بنیں۔ جیسے طلبہ کی سیاسی تنظیم سازی، اخبار بینی، ٹی وی اور رسائل کا مطالعہ وغیرہ اور ہر قسم کی غیر نصابی سرگرمیاں جو فقط وقت ضائع کرنے کا باعث ہوں۔ ہاں اگر مضمون ایسا ہے جس میں مذکورہ اشیاء معاون ہوں تو ان سے استفادہ نہایت مفید ہے لیکن اس میں وقت کی قدر ضروری ہے۔ بلاوجہ وقت کو اس میں ضائع کرتے چلے جانا کسی طور مفید نہیں ہو سکتا۔

۱۳- طلباء کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیمی عمل کے لیے غیر مناسب باتوں سے پرہیز کریں۔ زیادہ چھٹی کرنے اور زیادہ دوست بنانے سے اور بلاوجہ لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرنے سے مکمل گریز کرنا بہت ضروری ہے۔

۱۴- اگر کوئی بات زیادہ مشکل ہو جس کا سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہو اس کو چھوڑ دے تاکہ وقت ضائع نہ ہو کیونکہ مناسب وقت آنے پر وہ بات خود ظاہر ہو جائے گی۔

جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ‌ ‌ ‌ ویأتیک بالاخبار من لم تزود

یعنی

کرے گا تجھ کو مطلع، زمانہ ان حالات سے
اور دے گا خبریں وہ تجھے، جو تھا نہیں تو جانتا

۱۵- طالب علم کو چاہیے کہ اپنے مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے ایسے الفاظ چنے جو چند الفاظ ہوں یا کوئی ایسی مثال لائے جس سے مدعا کو اچھے طریقے سے واضح کرسکے اور مثال بھی ایسی ہو جو مبتدی طالب علم کے سامنے فروعات کو مزید اُلجھانے اور ان کی فکر میں تشویش پیدا کرنے کا باعث نہ بنے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

رسالہ دانشمندی

مصنفہ

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اس رسالے میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی سند متصل کے ساتھ اصول تعلیم و تدریس بیان فرمائے ہیں۔ ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم تدریس و تعلیم کا عمل جاری رکھیں اس سے ہم اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ طلباء کی علمی، عملی ترقی کے اور ذہنی نشوونما احسن انداز میں سرانجام دے سکتے ہیں جو موجودہ زمانے میں ہمارے تعلیمی عمل میں تقریباً مفقود ہے۔

ترجمہ و تشریح
مفتی رشید احمد العلوی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تمہید رسالہ دانشمندی

یہ رسالہ دانشمندی امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصنیفات میں سے ایک ہے۔ اس میں امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فن دانشمندی اپنے والد سے حاصل کیا ہے اور انہوں نے اپنے اساتذہ سے اور پھر سلسلہ اسناد کو امام ابوالحسن اشعری تک پہنچایا ہے لیکن اس کی مزید تحقیق کر لی جائے تو ان کی سند امام ابو منصور ماتریدی تک بھی پہنچ جاتی ہے اس لیے کہ ہمارے برصغیر کا اکثر علم بواسطہ امام ماتریدی ہم تک منتقل ہوا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اسی سند کے ساتھ فن دانشمندی، علم کلام اور اصول باہم ملے جلے حاصل کیے ہیں اور فرماتے ہیں:

''اگر تم کہو کہ فن دانشمندی سے تمہاری کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ''کتاب دانی'' کا علم ہے اور یہ کتاب دانی تین درجوں پر ہوتی ہے:

پہلا: یہ کہ خود کتاب کا مطالعہ کرے اور اس میں بیان کی گئی حقیقت کو ٹھیک طور سے پالے۔

دوسرا: یہ کہ تدریس کے ذریعے اس سے دریافت شدہ حقیقت اپنے شاگردوں کو سمجھا دے۔

تیسرا: یہ کہ اس کتاب کی کوئی شرح یا اس پر کوئی حاشیہ تحریر کرے اور اس کے مفاہیم کی حقیقت کو واضح کرنے میں خوب مبالغہ سے کام لے۔

اس فن کے قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس کا فائدہ ظاہر ہے کہ کتاب کے مطالعہ کا طریقہ کار اچھی طرح معلوم ہو جائے گا اور ایسے صاحب کا مطالعہ اکثر صحیح اور درست ہوگا۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ''جب کوئی عالم اپنے شاگردوں کو کسی علم وفن کی کتاب کا درس پوری سمجھ اور درایت کے ساتھ دینا چاہتا ہو تو اسے ان ضوابط کو جو اس رسالہ میں ذکر کیے

Toobaa-elibrary.blogspot.com
'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گئے ہیں ان کو یاد کر لینا از حد ضروری ہے۔

اس کے بعد اس رسالے میں وہ پندرہ قواعد بیان فرمائے ہیں جو انحصار میں اپنی مثال آپ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اصول ایک قاعدہ کلیہ کا درجہ رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ ان قواعد وضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر اُستاد اپنے ملامذہ کی پانچ طرح سے راہنمائی کر سکتا ہے:

اوّل: استاذ کی نگرانی میں کتاب کا اجمالی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

دوم: اس کتاب کے مشکل مقامات میں مختلف شرحات کو سامنے رکھتے ہوئے مصنف کی اس کلام سے غرض متعین کر سکتے ہیں۔

سوم: اس کتاب کے مطالعہ کے وقت ہمارے سامنے کیا اصول وضوابط ہونے چاہئیں اور اس کتاب کا مطالعہ ہمارے میدان عمل کے کس مقام پر راہنمائی کر سکتا ہے۔

چہارم: طلباء کے مطالعہ کا جائزہ لیا جائے تاکہ جہاں کوئی غلط فہمی پیدا ہو اس کو دور کیا جائے اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ متعین کی جائے۔

پنجم: اس کی کوئی شرح تحریر کروائی جائے تاکہ حق تربیت بتمام وکمال پورا ہو سکے۔

آخر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ فن دانشمندی معقولات ومنقولات اور علوم برہانیہ اور علوم خطابیہ، سب میں یکساں طور سے جاری ہوتا ہے۔ منقولات میں تو عبارت و الفاظ ولغات کی درستگی میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور معقولات میں مسائل کی تحقیق اور مقدمات درست بٹھانے کے لیے اس کی احتیاج پڑتی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ واللہ تعالیٰ اعلم وھو احق بہ

مقدمہ رسالہ دانشمندی

امام شاہ ولی اللہ نے جس فن دانشمندی کی تدوین فرمائی تھی اور اس پر ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا تھا اسی کی شرح آپ کے بیٹے شاہ رفیع الدین نے تکمیل الاذہان کے نام سے عربی میں فرمائی تھی اس متن دانشمندی کو اور اس شرح تکمیل الاذہان کو بڑی محنت اور تحقیق کے بعد مولانا عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے طبع فرمایا اور اس کے شروع میں تکمیل الاذہان کا خلاصہ درج فرمایا تھا اس لیے اُردو میں درج اس خلاصے کو ہم یہاں رسالہ دانشمندی کے مقدمے کے طور پر نقل کر رہے ہیں۔

نوٹ: واضح ہو کہ اس خلاصہ کو ہم نے من وعن نقل نہیں کیا بلکہ ان کے بیان کردہ خاکہ کو اپنے الفاظ میں ڈھال لیا ہے اور جہاں ضرورت پیش آئی اس میں کمی واضافہ بھی کر دیا ہے لیکن اس مقدمے کے محرک اوّل مولانا صوفی الحمید سواتی صاحب رحمۃ اللہ ہی ہیں اور ہمارے اس سارے عمل کا ثواب بھی انہی کی روح کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل اور علمی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

تکمیل الاذہان میں کل چار باب ہیں:

باب اوّل: فن منطق کے بیان میں اور یہ باب ایک مقدمہ، دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

باب دوم: فن تحصیل کے بیان میں ہے۔ اس فن میں پانچ چیزیں تفصیل سے بیان فرمائی گئی ہیں۔

مناظرہ، تدریس، تکلم، تصنیف اور مطالعہ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گویا یہ فن شاہ صاحب کے فن دانشمندی کا مرکب ہے۔

باب سوم: فن امور عامہ کے بیان میں ہے اس فن میں مفہوم، وجود اور علم کلام و فلسفہ کی بعض اصطلاحات کا تفصیلی جائزہ و بیان فرمایا ہے۔

باب چہارم: فن تطبیق آراء کا بیان ہے اس باب میں کل چھ فصلیں ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے:

باب اوّل:

باب اوّل میں علم منطق کی اہمیت و افادیت کا بیان ہے:

حقیقت یہ ہے کہ علم منطق بھی علوم مفیدہ میں سے ایک علم ہے جیسا کہ شیخ ابو علی سینا کا قول ہے:

المنطق نعم العون علی ادراک العلوم کلھا

علم منطق تمام علوم کو سمجھنے میں بہترین معاون و مددگار علم ہے

اسی طرح امام غزالی کا فرمان ہے:

من لم یعرف المنطق فلا ثقۃ له فی العلوم اصلا

جس شخص کو علم منطق میں ادراک نہیں ہے اس کے کسی بھی علم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا

چونکہ مختلف علوم عقلیہ میں علم منطق سے مدد حاصل کی جاتی ہے اس لیے شاہ رفیع الدین نے بھی تکمیل الاذہان میں علم منطق کو مستقل ایک باب میں خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

علم منطق کے اس پہلے باب میں ایک مقدمہ اور دو مقاصد اور ایک خاتمہ ہے:

مقدمہ میں علم کی تقسیم اور اس کے بعد ہر ایک کی تعریف بیان فرمائی ہے:

کبھی علم کی دو قسمیں ہیں: تصور اور تصدیق

اس کے بعد شاہ رفیع الدین نے نظر و فکر کی اپنے مخصوص اور مجددانہ انداز میں یوں تعریف بیان فرمائی ہے:

ھو عمل بمعلوم لتحصیل مجھول

وہ معلوم کے ساتھ ایسا عمل کرنا جس سے مجہول حاصل ہو جائے۔

اس کے بعد علم منطق کی ضرورت افادیت اور اس کا موضوع بیان فرمائے ہیں اس میں شاہ صاحب نے جابجا مفید حواشی قلم بند فرمائے ہیں اور بعض نئے مسائل کا اس میں اضافہ فرمایا ہے جو علم منطق میں ایک مفید اضافہ ہے اور چونکہ علوم و فنون ایک سیال مادے کی صورت میں ہوتے ہیں اور ان میں جمود نہیں ہوتا آپ فرماتے ہیں "علوم و فنون تلاحق افکار سے مکمل ہوتے ہیں" تمام علوم اس کے شاہد ہیں۔

ارسطو کی مرتب کردہ منطق میں ابو نصر فارابی نے بہت کچھ اضافہ فرمایا تھا اور ابو علی سینا نے اس کو حسن خوبی کے ساتھ نئے انداز میں پیش کر دیا تھا۔

علم منطق میں بنیادی طور پر دلالت کی بحث کی جاتی ہے اور ان دلالتوں کی اقسام لفظی اور غیر لفظی اور اس کے بعد وضعی طبعی اور عقلی میں ہر ایک کو تقسیم کیا جاتا ہے اور یہ سارا نظام دلالت طلباء کو مدارس میں بڑی تفصیل کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور ایم اے فلسفہ کے پورے ایک پرچہ منطق میں صرف دلالت کی بحث کی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ مذکور تقسیم حصر عقلی کی وجہ سے مانی گئی ہے لیکن شاہ رفیع الدین نے اس میں ایک خوبصورت اضافہ فرمایا ہے جس میں دلالت تضمنی، التزامی اور مطابقی کے بعد ایک قسم دلالت تطفلی بھی بیان فرمائی ہے۔ اگر شاہ صاحب کا موقف اور ان کے بیان کردہ دلائل کو ملاحظہ کیا جائے تو طبیعت بہت محظوظ ہوتی ہے۔

مقصد اوّل میں تصورات کو بیان کیا ہے اس میں کلیات خمس، تعریفات حد و رسم قول شارح وغیرہ کی تحقیق و تقسیم انتہائی انحصار کے ساتھ فرمائی ہے۔

مقصد دوم میں تصدیقات کا بیان ہے اس میں قضیہ کی تعریف یوں فرمائی ہے:

قول حاك عن الواقع ایجابا او سلبا

بیان کرنے والے کا کسی واقعہ کے بارے مثبت یا منفی بیان کا نام قضیہ ہے

اس کے بعد قضیہ کی اولی اور ثانوی تقسیم بیان فرمائی ہے رابطہ کی بحث، حملیات، موجہات، شرطیات کی تقسیم اور ان کے احکامات مثلاً تناقض، عکس مستوی، عکس نقیض، پھر

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حجت کا بیان، قیاس کی تعریف، اشکال، قیاس حملی اقترانی شرطی اور ان کے اطراف کا بیان ہے۔ پھر حجت اور اس کی اقسام، استقرا اور تمثیل کا بیان، مختصر انداز میں حجت کے لیے مواد، صناعات خمسہ، برہان جدل، خطابت، شعر، مغالطہ اور کسی کے کلام میں کثرت کے ساتھ اغلاط واقع ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہیں۔۔

خاتمہ میں مسائل ونظریات کی تدوین، اس کے موضوعات کا بیان اور موضوع کی تعریف اور حیثیات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

باب دوم:

اس باب میں فن تحصیل کا تفصیلی بیان ہے۔

اس فن میں انہوں نے اپنے والد کے فن دانشمندی میں ذکر کیے گئے افکار کو یک جا عربی میں جمع کر کے اس پر بعض ضروری حواشی تحریر فرمائے ہیں اس فن کے تعارف کے طور پر شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں:

''مجہولات کے حاصل کرنے کے لیے عام طور پر تعلم کا طریقہ تفکر پر غالب رہا ہے۔ اس کے لیے کوئی خاص قانون مدون نہ تھا میرے والد عارف، واصل، نحریر کامل، شیخ ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم دہلوی نے کتابوں کی مزاولت کے لیے تعلیم کی شکل میں ضوابط مقرر کیے ہیں اور یہ اس فن کی ابتداء ہے۔''

اور اس باب میں جو فن تحصیل بیان فرمایا گیا ہے اس کی اساس شاہ ولی اللہ کا رسالہ دانشمندی ہے شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں:

''فن تحصیل کا موضوع علوم مدونہ ہیں اس حیثیت سے کہ ان سے افادہ یا استفادہ کیا جا سکے۔''

اس فن کی غرض وغایت یوں ہے:

''علوم میں بصیرت کے ساتھ غور وخوض کیا جائے اور جو شخص ان علوم کا قصد کرے وہ بدفہمی سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور جو علوم میں اصل اور لب لباب تک رسائی حاصل کرے

اور جو باتیں صرف چھلکے کی طرح ہیں ان میں تمیز کر لیتا ہے اور علوم کے کسب پر قادر ہونے کے ساتھ اس میں مکمل مہارت حاصل کر لے اور کتاب ومعلم میں کامل وناقص کی تمیز کر سکے۔''

اس فن میں پانچ باتوں پر توجہ ہوتی ہے:

(۱) علم مناظرہ (۲) علم تدریس (۳) علم تلمذ

(۴) علم تصنیف وتالیف (۵) علم مطالعہ

کیونکہ منکرین کے ساتھ بات سمجھانے کے لیے علم مناظرہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ماننے والوں کو سمجھانا ہو تو اس کے لیے تلمذ یا تدریس کا طریقہ کار ہوتا ہے۔

یہ تینوں باتیں یعنی مناظرہ تلمیذ وتدریس کا تعلق تقریر وبیان سے ہوتا ہے۔

اور تحریری شکل میں تصنیف کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اور ان سب ارکان میں سے وسیع چیز مطالعہ ہے جو ہر میدان کے راہی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

علم مناظرہ کی غرض وغایت بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحب اس میں پیش آنے والے مسائل کا تذکرہ فرماتے ہیں مثلاً مدعی اور اس کا دعویٰ۔ اس دعویٰ میں پیش آنے والے اشکالات، مجیب کی طرف سے ان کے جوابات اور اشکالات میں پیش آنے والے اعتراضات کا جواب اور اس عمل میں جن باتوں کو ملحوظ رکھنا لازمی ہوتا ہے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

علم تدریس کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ہے:

تفهيم الكتاب بالسان

یعنی کتاب کو زبان سے سن کر سمجھ لینا

اس کے بعد تدریس کے مختلف درجات کو بیان کیا گیا ہے۔

قاصر یا کم فہم کے لیے صرف کتاب کے ترجمے پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عالی اور بہتر ذہن والے کے لیے وہ باتیں ذکر کی جائیں جو وہ یاد رکھ سکے اور بوقت ضرورت ان سے استفادہ کر سکے۔

مستعجل (Short Courses) والے کے لیے ہر علم کی ہر کتاب کے ابتدائی حصے اچھی طرح یاد کروا اور سمجھا دیے جائیں۔

اور حاذق وفطین کے لیے ہر علم میں پوری بسط وکشاد سے بیان کیا جانا مفید ہوتا ہے۔

اسی طرح مبتدی طلباء کو متون کی تعلیم بہت مفید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے وہ اصطلاحات اور ابتدائی قواعد سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ تدریس کے لیے اہم ترین قواعد تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

علم تمذ کا بیان شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کی تعریف بیان فرمائی کہ یہ وہ علم ہے جو

فهم الكتاب بالاستماع

جب سننے سے کتاب میں مذکور مسائل سمجھ میں آ جائیں۔

اس میں پیش آنے والی ضروریات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد علم تصنیف کے بیان میں ابتداء میں اس کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ

تاليف الكتاب لتحريره نثرا ونظما

کسی موضوع پر کتاب تحریر کرنے کے لیے اس کے مواد کو جمع وترتیب لگانا

اس کے بعد اس کے اغراض ومقاصد بیان فرمائے ہیں۔

اس کے بعد علم مطالعہ کو بیان کیا گیا ہے جس میں فرمایا کہ

النظر في الكتاب بفهم المراد

کتاب میں ایسے دیکھنا کہ اس سے مصنف کا مراد معلوم ہو جائے

اور جہاں فہم میں کوئی خرابی معلوم ہو اس سے تنبیہ ہو جائے اس بات کی مزید تفصیل کے لیے آپ نے اکیس نکات بیان فرمائے ہیں۔

باب سوم:

اس باب میں فن امور عامہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان میں بھی وہ مسائل جو روزمرہ کے کثیر الاستعمال ہوتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو انسان اشتباہ میں پڑ جاتا ہے اور نیز خاص مسائل عقلیات کے مختلف علوم وفنون کے اہم مبادیات میں شمار ہوتے ہیں:

شاہ صاحب کا شجرۃ الکون:

مفہوم کیا ہوتا ہے، وجود اور اس کی مختلف اقسام، وجود کا تعلق ذہنی یا خارجی ہونا اور وجود کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان مسائل کے ذیل میں زمان، مکان، جوہر، فرد، خط، سطح، جسم صورت نوعیہ، ہیولی، نفس اور عقل کے بارے میں نہایت مختصر اور مفید ابحاث شامل ہیں:

ایک مقام پر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

”تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ مؤخر الذکر پانچوں چیزیں (صورت نوعیہ، صورت جسمیہ، عقل، نفس، ہیولی) وہ ہیں جو نہ تو تقسیم کو قبول کرتی ہیں اور نہ ہی ان کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے“

پھر ان کی تعریف بیان کرنے کی غرض سے بچہ حصہ یوں فرمائی ہے:

”اگر کسی انسان کا فعل جسم میں آلات کے ذریعہ واقع ہو اور جسم ان سے کمال بھی حاصل کرے تو اس کو نفس کہتے ہیں۔

اور اگر فعل ایسا ہو کہ نہ اس کو آلات کی ضرورت ہو اور نہ اس سے کمال حاصل ہوتا ہو تو اس کو عقل کہتے ہیں۔

اور اگر دونوں کو قبول کرنے والا ہو تو فعل اور نفس کا محل ہونے کے اعتبار سے اس کو ہیولی کہتے ہیں کیونکہ اس کی فعلیت اس کی استعداد کے لیے ہوتی ہے۔

اور باعتبار حال کے ہو تو اگر تمام میں متماثل اور ساتھ ہی ممتد لذاتہ ہو تو اس کو صورت جسمیہ کہتے ہیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اور اگر متماثل نہ ہو بلکہ مخالف ہو تو اس کو صورت نوعیہ کہتے ہیں۔

اور جو حال ومحل دونوں میں مرکب ہو تو وہ جسم ہو گا۔

اور اگر وہ جسم ایسا ہو کہ حیّز میں مزاحم ہو تو اس کو جسم شہودی (مادی عالم کا جسم) کہتے ہیں۔

اور اگر وہ مزاحم نہ ہو تو وہ جسم مثالی (روحانی علم کا جسم) ہوتا ہے۔

اور جسم مثالی اپنی صورت نوعیہ کے اعتبار سے دیکھیں گے کہ اگر بسیط ہو تو وہ افلاک، کواکب اور عناصر کہلاتے ہیں۔

اور اگر مرکب ہوں تو جسم عنصری کہلائے گا۔

پھر اگر یہ عنصری جسم بلا مزاج ہو تو جسم ناقص کہلاتا ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ مزاج بھی ملا ہوا ہو تو جسم تام کہلاتا ہے۔

اور اگر صرف جسم کی حفاظت کرنے والا ہو تو جسم معدنی کہلائے گا۔

اور اس میں توالد وتناسل بھی ہو اور اس میں نشو ونما بھی پائی جائے تو اس کو جسم نباتی کہتے ہیں۔

اور اگر اس جسم میں حس وحرکت بالارادہ پائی جائے تو اس کو حیوان کہتے ہیں۔

اور اگر وہ جسم غور وفکر بھی کر سکتا ہو اور مختلف آلات کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکتا ہو تو دیکھیں گے اگر وہ ارضی اور خاکی ہے تو اس کو انسان کہیں گے۔

اور اگر ناری یا آتشی ہو تو اس کو جن کہتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک فرشتہ ایک جوہر ذی شعور ہوتا ہے لیکن وہ نمو شہوت اور غضب کی صفات سے عاری ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ انعام وانتقام کا ارادہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔

مزید اس باب میں ماہیت کی تعریف اور اس کی اقسام، علت اور ان کی اقسام اربعہ اور تقدم وتاخر کو تفصیل کے ساتھ اور بہت سارے دوسرے مسائل تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

باب چہارم:

اس باب میں شاہ صاحب کا خاص موضوع علم تطبیق آراء ہے اور اس کو بطور فن یہاں پیش کیا گیا ہے اور تطبیق آراء حضرت شاہ ولی اللہ کا خاص موضوع ہے۔ اہل علم میں بعض لوگوں نے تطبیق آراء پر بہت سارا کام کیا تھا۔ محدثین میں امام طحاوی اور فقہاء میں بھی بہت سارے لوگ اس بارے میں کام کرتے رہے ہیں اور متخالف ومتعارض احادیث کی جمع و تطبیق کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن شاہ رفیع الدین کو اپنے والد شاہ ولی اللہ سے یہ فن ورثے میں ملا تھا کہ انہوں نے اس موضوع کو باقاعدہ ایک فن کا درجہ دیا ہے اور اس فن کے اصول وضوابط اور قواعد ومبانی متعین فرمائے اور اس کے بعد متضاد قسم کے افکار ونظریات میں تطبیق کی عملی تشکیل پیش کی۔

شاہ رفیع الدین نے اس باب میں جو چیز پیش کی ہے انسانی عقل کو اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس لیے کہ انسانی عقل کو انتشار وتضارب سے بچا کر ایک وحدت کی طرف متوجہ کر دینا میرے خیال میں انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اہل علم کو چاہیے کہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور شاہ رفیع الدین کی مساعی جمیلہ کی داد دیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس باب سے اہل علم حضرات فلسفہ ولی اللہی کی فہم وتفہیم کے سلسلہ میں کیا کچھ امداد حاصل کر سکتے ہیں اس کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ وہ خود جب اس باب کا مطالعہ فرمائیں گے تو ان پر فلسفہ ولی اللہی کی بہت سی پیچیدہ باتیں اچھی طرح واضح ہو جائیں گی۔

تطبیق الآراء کے دیباچہ میں شاہ رفیع الدین نے اس فن کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے کہ "مختلف مذاہب کی تدوین نے اپنے اپنے دلائل اور اعتراضات کے باعث قدیم ذخیرہ میں حیرت اور شک کی لاعلاج بیماری پیدا کر دی ہے اور جدید سے بھی ایمان اٹھا دیا ہے۔" پس عوام کچھ تو تعصب کی وجہ سے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور قریب وبعید میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کچھ لوگ حق 'بات' کے بارے میں تذبذب اور شک میں پڑ کر حیران و

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سرگرداں ہوتے ہیں اس لیے میں نے اپنی کتاب 'الدرر الداری' میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے تحقیق کے ترازو مقرر کیے ہیں اور کچھ اصول مدون کیے ہیں اور اس اختلاف کے اسباب بھی بیان کیے ہیں اور پھر تطبیق کے ضوابط بھی پیش کیے ہیں اور اسی کتاب سے میں نے کچھ مباحث یہاں 'تکمیل الاذہان' میں پیش کر دیے ہیں اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین!

اس باب میں کل چھ فصلیں ہیں:

پہلی فصل میں تطبیق کی ماہیت اور حقیقت بیان کی ہے۔ چنانچہ تطبیق کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ "تطبیق" سے مراد یہ نہیں کہ دو آدمی ایک دوسرے کے خلاف بات کرتے ہوں (یا رائے رکھتے ہوں) ان میں سے ایک کے دعوے کی سرے سے نفی کر دی جائے" اور عدم تطبیق سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص کے کلام کو مکمل طور پر دوسرے کے کلام کی مراد پر محمول کر دیا جائے اور اسی طرح تطبیق سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ ہر ایک مذہب کے اصول و فروع کے واقعہ کے مطابق ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔ بلکہ تطبیق سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک مذہب یا نظریہ وغیرہ میں جو حصہ واقعہ کے مطابق ہو اور جتنا حصہ واقعہ سے منحرف ہو اسے معلوم کر لیا جائے اور نیز اس انحراف کے اسباب کا کھوج لگایا جائے جیسا کہ اس مذہب والے شخص کے کلام اور اصول و فروع سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دل مطمئن ہو جائے اور شک زائل ہو جائے، شاہ صاحب کے الفاظ فرماتے ہیں:

"بل هو عبارة عن معرفة قدر انطباق كل مذهب مع الواقع وقدر انحرافه عنه ومعرفة سبب الانحراف بحيث يتفطن له من كلامه واصوله وفروعه حتى يطمئن القلب ويزول الريب"

دوسری فصل میں تحقیق کے وہ موازین (ترازو، اصول، مبانی) بیان کیے ہیں جن پر مختلف چیزوں کو پرکھا جاتا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حصول علم کے تین طریقے ہیں عقل، نقل، کشف پھر یہ بیان کیا ہے کہ حواس کا حصہ اس میں کس قدر ہے اور عقل کا حصہ کتنا ہے اور

عقل کا مرتبہ کیا ہے اور اس میں اختلاف سے کیا کیا اختلاف پیدا ہوتا ہے اور کون سی عقلیات معتبر ہیں اور کون سے غیر معتبر ہیں اور اسی طرح کشف کے معتبر ہونے کی کیا شرائط ہیں۔

شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں:

"مشائین [1] نے علم کا دارومدار صرف عقل کو قرار دیا ہے اور محدثین صرف نقل کی تلاش میں رہتے ہیں اور متاخرین صوفیاء کا انحصار صرف کشف پر ہے۔ متکلمین عقل و نقل کو آپس میں ملا دیتے ہیں اشراقیہ یا رواقیہ عقل و کشف کو آپس میں خلط کر دیتے ہیں اور اعتدال سے ان سب کو جمع کرنے والے لوگ تو بہت ہی نادر ہیں۔"

اس کے بعد تیسری فصل میں اسباب اختلاف پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

اور چوتھی فصل میں کلی طور پر تطبیق کے قواعد و ضوابط پیش کیے ہیں۔ اس فصل میں شاہ صاحب نے عالم مثال کے اثبات پر اور تجلی پر خاص طور سے زیادہ توجہ فرمائی ہے۔

شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں:

اصول تطبیق میں ان دونوں کو ماننا نہایت ضروری ہے اور تجلی کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ عقل و نقل اور کشف تینوں سے تجلی کا ثبوت ملتا ہے۔

پانچویں فصل میں جرح و ترجیح کے اصول بیان فرماتے ہیں:

اور چھٹی فصل میں توضیح کی خاطر اور اہل علم کی مشق کے لیے تطبیق کی جزئیات کی چند مثالیں پیش کی ہیں اور اس ضمن میں اس فن کے اصول و ضوابط، نکات و معارف وضاحت سے بیان فرمائے ہیں جو انتہائی مختصر انداز میں ہیں۔

مکان کے بارے میں اختلافی نظریات کہ آیا وہ "سطح" ہے یا "بعد" پھر ان میں تطبیق

۱- ایک عقل پرستوں کا فرقہ ابتدائے اسلام میں پیدا ہوا جو اپنے عقلی افکار افلاطون و ارسطو سے اخذ کیا کرتا تھا۔ گو ان کا اصول علم میں کتاب اللہ سنت متواترہ کے ساتھ معتدل عقلی بھی تھا۔ اسی طرح اور بھی فرقے ہیں جو استدلال کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے معرض وجود میں آئے تھے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیش کی ہے۔ اسی طرح اس فصل میں زمان کی حقیقت اور اس میں جو اختلاف ہے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اور بطور تفہیم اور آسانی کی غرض سے بعض احادیث کا تعارض اور تخالف پیش کیا ہے مثلاً نماز میں رفع یدین اور عدم رفع یدین کی احادیث کا اختلاف پیش کر کے ان میں تطبیق پیدا فرمائی ہے جو انتہائی نفیس بحث ہے اور مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی طرح لاعدویٰ ولا طیرۃ اور دوسری حدیث فرمن المجذوم وغیرہ احادیث کے تعارض کو یک جا کر کے ان میں تطبیق کی راہ نکالی ہے جو واقعتاً اس موضوع پر بہت مفید اضافہ ہے۔

متن

رسالہ دانشمندی

مع ترجمہ وافادات

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ ملهم الحکم، ومجزل النعم، والصلوٰۃ والسلام علی افضل من اوتی الکتاب واتصل الخطاب وعلی آلہ واصحابہ الذین بلغوا شرائع الدین، وبینو لنا ما یحصل الیقین۔

اما بعد میے گوید فقیر (۱) ولی اللہ بن عبدالرحیم این بندہ فن دانشمندی از (۲) والد خود کسب نمود، وایشان از (۳) میر محمد زاہد بن قاضی اسلم ہروی و ایشان از (۴) ملا محمد فاضل و ایشان از (۵) ملا یوسف قراباغی و ایشان از (۶) مرزا جان، وایشان از (۷) ملا محمود شیرازی، وایشان از ملا (۸) جلال الدین دوانی وایشان از والد خود ملا (۹) اسعد بن عبدالرحیم، و از ملا مظہر الدین گازرونی، وایشان ہر دو از ملا (۱۰) سعد الدین تفتازانی، و از سید شریف جرجانی، وایشان از (۱۱) قطب الدین رازی، وایشان و ملا سعد الدین تفتازانی ہر دو از (۱۲) قاضی عضد، وایشان از ملا (۱۳) زین الدین، وایشان از (۱۴) قاضی بیضاوی، وایشان را سندیست تا شیخ ابوالحسن اشعری، در کتب تاریخ مشہور است۔

امابعد:

(۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے کہ میں نے یہ فن علم اصول تعلیم اپنے والد (۲) عبدالرحیم سے حاصل کیا اور انہوں نے (۳) میر محمد زاہد بن قاضی اسلم ہروی رحمۃ اللہ سے، انہوں ملا (۴) محمد فاضل سے، انہوں نے ملا (۵) یوسف قراباغی سے، انہوں نے (۶) میرزا جان سے، انہوں نے ملا (۷) محمود شیرازی سے، انہوں نے ملا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۸) جلال الدین دوانی سے، انہوں نے اپنے والد ملا (۹) اسعد بن عبدالرحیم اور ملا مظہر الدین گازرونی اور ان دونوں نے ملا (۱۰) سعد الدین تفتازانی اور سید شریف جرجانی سے، انہوں نے (۱۱) قطب الدین رازی سے اور انہوں نے اور علامہ سعد الدین تفتازانی دونوں نے (۱۲) قاضی عضد الدین سے، انہوں نے ملا (۱۳) زین الدین اور انہوں نے (۱۴) قاضی بیضاوی سے اور ان کی سند حضرت ابوالحسن اشعری تک پہنچتی ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

---

(۱) ولی اللہ ولادت ۱۱۱۴ھ بمقام پھلت، وفات ۱۱۷۶ھ بمقام دہلی، تصانیف کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔ جو علم تفسیر وحدیث، اصول تفسیر کلام وعقائد، فلسفہ اسلام، تصوف اور تاریخ اور صرف ونحو کے موضوعات پر ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے تصانیف کے لحاظ سے (اگرچہ احوال شاہ ولی اللہ میں اس کو زیادہ واضح انداز میں چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن یہاں بطور خلاصہ ہم یوں کہتے ہیں کہ اس کے) دو دور ہیں (۱) مکہ جانے سے پہلے کا دور۔ اس میں صوفیاء کے رسم ورواجات پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور کشف وکرامات کا تذکرہ بھی زیادہ ہے انفاس العارفین اور بعض مکتوبات اسی دور کے ہیں (۲) مکہ میں قیام اور واپسی کے بعد کا دور۔ اس میں شاہ صاحب کا موضوع قرآن، حدیث اور تصوف ہیں اور ان کو بھی انہی اصول وضوابط پر نئے سرے سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں حجۃ اللہ البالغۃ، البدور البازغۃ وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۲) عبدالرحیم: ولادت ۱۰۵۴ھ بمقام ضلع امروہہ، وفات ۱۱۳۰ھ بمقام پھلت میں ہوا۔

(۸) جلال الدین محمد بن اسعد الصدیقی دوانی: ولادت ۸۲۸ھ بمقام گازرون اور وفات ۹۰۸ھ بمقام دوان ہوئی۔ اگرچہ آپ کو تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی مگر علوم عقلیہ کے بے تاج بادشاہ شمار ہوتے تھے۔ جس کا معترف ایک زمانہ تھا۔ آپ کی تعریف میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دو پہر علم کے تھے آفتاب ۔۔۔ فنون وعلم کی جامع کتاب

علوم عقلیہ ونقلیہ میں بے شمار تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا جن میں بعض درسی اور غیر درسی بھی ہیں۔

(۱۰) سید شریف جرجانی: علی بن محمد المعروف سید شریف یا سید السند الجرجانی۔ ولادت ۷۴۰ھ بمقام جرجان اور وفات ۸۱۶ھ بمقام شیراز، اپنے بعد تفسیر وحدیث، منطق ومعانی، بلاغت، بیان، فقہ، فلسفہ، طب و حکمت، فرائض وفلکیات، نحو وصرف، تصوف میں کئی کتب کے متن اور شروحات کی تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا اور آپ تصوف میں خواجہ علاء الدین عطار کے خلیفہ مجاز تھے۔

(۱۰) تفتازانی: نام مسعود لقب سعد الدین، ولادت ۷۲۲ھ بمقام خراسان وفات ۷۹۲ھ بمقام خراسان، اپنے بعد تفسیر وحدیث، فقہ واصول، بیان ومعانی، منطق فلسفہ، صرف ونحو، کلام وعقائد کا ایک وسیع ذخیرہ

چھوڑا تھا اور اپنے زمانے کے اکابرین حنفیہ میں شمار کیے جاتے تھے۔

(۱۱) محمد قطب الدین بن محمد التفتازانی رازی:

نوٹ: احقر کا شجرہ علمی یوں ہے: پیدائش پر جو نام رکھا گیا وہ رشید احمد مغیرہ تھا۔ مگر رشید احمد معروف ہو گیا جس کے ساتھ بعد میں العلوی کی نسبت زیادہ کر دی گئی۔ اس نام کی وجہ مناسبت دو ہیں: (ایک) تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے العلی ہے (دوسرے) یہ کہ ہمارے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ ولادت ۱۹۲۹ء، بندہ نے فن اصول تعلیم اپنے والد الشاہ عبدالحی بن عبدالعزیز محدث سہالوی سے حاصل کیا۔ انہوں نے یہ فن مندرجہ ذیل تین شخصیتوں سے حاصل کیا۔ الاستاذ الکامل غلام رسول (انہی شریف والے) اور حضرت حسین علی الوانی اور حضرت مولانا سلطان محمود صاحب اور انہوں نے حضرت شیخ الہند محمود حسن، حضرت رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے اور انہوں نے شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے اور انہوں نے شاہ محمد اسحاق سے اور انہوں نے اپنے والد شاہ ولی اللہ سے حاصل کیا۔ وہاں سے سند اوپر متن میں مذکور ہے۔

(۱) عبدالحی بن عمدۃ المحدثین عبدالعزیز، ولادت ۱۹۱۸ء بمقام کولیاں اور وفات ۱۹۹۶ء بمقام میرپور اور مدفین گوجرانوالہ، تحصیل علم میں استاذ کامل مولانا غلام رسول انہی شریف ضلع گجرات، دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدرسہ خادم علوم نبوت گھیالہ شیخاں سابق مدرس جامعہ مسجد فتح پوری سے کسب فیض کیا۔ یہ مدرسہ خادم علوم نبوت بھی مدرسہ رحیمیہ انہی شریف یا مدرسہ مولانا ولی اللہ شرقی مسجد میانوالی رانجھہ کی طرز کا انوکھا مدرسہ تھا جس کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی لیکن بڑی بڑی مقتدر شخصیات نے یہاں سے فیض حاصل کیا۔ حضرت مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ نے متعدد تصانیف اپنے زمانے میں طبع کروائی اور بہت ساری ابھی تشنہ طباعت ہیں۔ ان کی اولاد میں پانچ بیٹے محمد طاہر، محمد طیب، محمد محمود، امیر حسین عبدالرحمن تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے مولانا محمد طیب جوان سالی میں شہید کر دیے گئے اور پوتوں میں مولانا اسعد اللہ اور عارف اللہ دین کی خدمت بجا لانے میں اپنے علاقے میں مصروف ہیں اور والد مکرم مولانا عبدالحی کی روحانی طور پر حضرت مولانا حسین علی سے نسبت تھی اور مولانا عبدالعزیز محدث کی وفات کے بعد آپ کی دستار بندی سبز عمامہ سے کی گئی جو صوفیاء کے ہاں علم اور نسبت محمدی کی علامت سمجھی جاتی تھی اور اس کے اثرات واقعی پاس بیٹھنے والا محسوس کر سکتا تھا۔ ہدایہ حسامی، شرح جامی، میر قطبی وغیرہ کی عبارات آپ کو ازبر تھیں۔ والد صاحب ایک بلند پایہ مدرس اور قوت حافظہ خوب رکھتے تھے۔ مرتب کی علمی زندگی اور تدریس واقتاء کی تربیت اور تحریر میں دیگر اساتذہ کے علاوہ والد محترم کا زیادہ حصہ ہے۔

(۲) جد امجد عمدۃ المحدثین حضرت مولانا عبدالعزیز بن الشیخ نور محمد کا شجرہ ۳۳ پشتوں کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ولادت ۱۸۸۲ء بمقام سہال راولپنڈی وفات ۱۹۴۰ء بمقام سہال، کسب فیض

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن اور الشیخ غلام رسول انہی شریف اور الشیخ حسین علی الوانی سے کیا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور مفتی کفایت اللہ ہم سبق تھے اور علم طب کے حصول کے لیے حضرت سندھی اور مولانا عبد العزیز دونوں قادیاں میں حکیم نور الدین کے پاس جاتے جو اس زمانے میں ماہر فن سمجھا جاتا تھا اور اس وقت تک وہ غلام احمد قادیانی کا متبع ہو کر کفریہ عقائد میں نہیں داخل ہوا تھا اور نہ ہی ابھی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

حضرت جد مکرم کی تصانیف اللہ میں فتح القدیر، دو الظفار پر حواشی، علم حدیث میں: نبراس الساری فی اطراف البخاری، فہرست مسند احمد بن حنبل، تخریج شرح معانی الآثار، حواشی صحیح مسلم، شرح سنن ابی داؤد، فلسفہ، منطق، تاریخ، رجال اور سیر، آپ کی تحقیق کے خاص موضوع تھے۔

(۳) حسین علی الوانی، اساتذہ میں الشیخ رشید احمد گنگوہی والشیخ مظہر نانوتوی۔

باب اوّل:

تعلیم و تعلم اور اس کا طریقہ

بالجملہ فقیر بایں سند اخذ کرد فن دانشمندی و علم کلام و اصول ہمہ مخلوط باہم، ورجال ایں سند ہمہ مصنفین، محققین، مشغول بہ تصنیف و درس بودند الا والد فقیر کہ بہ سبب اشغال قلبی بشغل تصنیف و اکار درس نہ پرداختند بخاطر فاطر گذشت کہ فن دانشمندی را قاعدہ بنہد و برا اہل عصر آں قاعدہ را جلوہ دہد۔

عمومی طور پر جب ہم نے علم اصول تعلیم اپنے اساتذہ سے حاصل کیا تو اس وقت تک فن دانشمندی علم الکلام اور علم اصول (فقہ) کے ساتھ ملا جلا تھا اور اس علم کی ان علوم سے الگ اور جداگانہ کوئی حیثیت نہ تھی اور نہ ہی اس موضوع پر با قاعدہ کوئی تصنیف تھی کہ اس کی تعلیم و تفہیم کی کوشش کی جاتی۔

اور وہ تمام مشائخ جو سند بالا میں مذکور ہوئے ہیں تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول اور مصروف رہے ہیں۔ سوائے ہمارے والد شاہ عبد الرحیم کے، کیونکہ وہ زیادہ تر اشغال قلبی اور اذکار و اذکار کی تعلیم حاصل کرنے اور بعد میں اس کو عام کرنے میں اور سلسلہ عالیہ کی خدمات کی بجا آوری میں مشغول رہنے کی وجہ سے تصنیف اور تدریس کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہو سکے تھے۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) جدت پسند طبیعت میں یہ بات پیدا ہوئی کہ علم اصول تعلیم کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے اور زمانہ حاضرہ کے احباب علم و فن کے سامنے افادہ عام کے لیے ان قواعد کو پیش کرنا چاہیے۔

نوٹ: اس عبارت سے یہ مفہوم نہیں لیا جانا چاہیے کہ فن دانشمندی کوئی نیا مضمون ہے اور اس رسالے سے قبل اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ یہ فن تدریس یا فن تعلیم جب سے تعلیم کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے اہل علم میں سے جو احباب تعلیم و تعلم کے میدان کے شہسوار تھے ان میں رائج تھا لیکن اس کو مدون و تحریر میں لانے کا یہ اہتمام شاہ ولی اللہ نے اٹھایا اس لحاظ سے یہ فن کی پہلی کتاب شمار ہوتی ہے۔

اس فن کے بنیادی ارکان وہی ہیں جن کو عام زبان میں ادوات علم کہا جاتا ہے اور وہ استاد شاگرد مقام تعلیم اور کتاب وغیرہ خاص طور سے شامل ہیں اور اس میں کیا کچھ اور کس طریقے سے اور کب پڑھایا جانا چاہیے یہ ساری باتیں اس میں شامل ہیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعریف دانشمندی

اگر گوئی از دانشمندی چه چیز اراده می کنی، گویم کتاب دانی اراده می کنیم، وآن بر سہ مرتبہ مے باشد یکے آنکہ مطالعہ کند کتاب را، وحقیقت آن را بوجہ تحقیق دریابد۔

دوم آنکہ درس گوید و حقیقت آن را بشاگرداں بفہماند

سوم آنکہ شرح یا حاشیہ برآں بنویسد، و در کشف حقیقت آن مبالغہ نماید۔

تعریف:

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ علم اصول تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ یا اس کے جاننے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ تو جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اس کا بڑا مقصد تو کتاب دانی ہے۔

اور اس کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ: کتاب کا مطالعہ کرنا اور اس میں بیان کردہ حقائق کی حقیقت کو تحقیقی انداز میں حاصل کر لینا۔

دوسرا درجہ: اس کتاب کو پڑھانے کی صلاحیت پیدا ہونا اور اس کتاب کی مراد طلباء کو سمجھانے کا ملکہ پیدا کرنا۔

تیسرا درجہ: اس کتاب کی شرح یا حاشیہ لکھنا اور اس میں بیان کردہ حقائق کو اچھی طرح ظاہر و عیاں کرنا تاکہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے۔

نوٹ: "کتاب دانی" کا لفظ اپنے مفہوم ومراد میں بڑا وسیع ہے اس لیے قاری کو یہ جاننا چاہیے کہ آج کے دور کی کتاب دانی یہ ہے کہ بس کتاب پڑھ لی جائے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جبکہ اصل کتاب دانی جو یہاں بتائی جا رہی ہے اس وقت کی کتاب دانی یا کتاب فہمی ہے جب پوری دنیا میں قلمی کتب لکھی جاتی تھیں۔ اسی طرح قلمی انداز سے آگے منتقل ہوتی تھیں اور ہر کتاب ایک نظریہ اپنے اندر سمیٹے ہوتی تھی۔

اس وقت کتاب کے مافی الضمیر تک پہنچنا ایک ایسا کام تھا جو استاد کے بغیر ممکن نہ تھا اور بلا مشق ماہر

استاد کے اس تک رسائی آسان کام نہ تھا۔

طریقہ تعلیم: اصل بات یہ ہے کہ پرانے وقتوں میں جو طریقہ تعلیم تھا اس میں طالبعلم کو مختلف نظریات دے کر اس کو سوچنے پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ دیکھے کہ یہ نظریے درست ہیں یا غلط اور ہر دو صورت میں اس کی وجہ بتائے کہ درست ہے تو کیوں اور درست نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے اور طالبعلم کو اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے جان جوکھوں پر پڑ کر محنت کرنی اور راتوں کو جاگنا پڑتا تھا۔

تعلیم میں تکرار: اسی غرض سے طلباء تکرار کرتے تھے تاکہ حاصل شدہ نظریات سے مزید افکار کو مزین کریں یا ان کی تردید کرنے میں طلباء ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اسی غرض کے لیے علم المناظرہ کی بنیاد پڑی کہ دوران تکرار کسی بات میں فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں نتیجہ نکالنے کا طریقہ کار کیا ہوگا اور اسی غرض سے منطق کا علم پڑھا پڑھایا جاتا تھا کیونکہ اس علم کے ذریعے جانے ہوئے تصورات اور تصدیقات سے نہ جانے ہوئے تصورات اور نہ جانی ہوئی تصدیقات معلوم کرنا۔ مگر آج کی تعلیم وتعلم کی حالت یہ ہے کہ:

رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی ۔۔۔ اور رہ گیا فلسفہ تلقین غزالی نہ رہی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱)

فن دانشمندی

اگر گوئی فائدہ ضبط قاعدہ کہ آں را بیان مے کنی، حفظ آں، و تحقیق آں چیست؟

گویم دو فائدہ دارد

یکے آنکہ طریق مطالعہ کتاب بداند، و ایں مطالعہ اکثر احوال صائب باشد۔

تفصیل ایں اجمال آنکہ چوں ایں طالب بعض مقدمات فن دانشمندی مانند صرف و نحو، و لغت و غیرہ آں یاد گرفتہ باشد، بعد ازاں مطالعہ کتابے پیش گیرد، و شرح آں کتاب را پیش نظر دارد، و استاد مشفق اورا بر ایں قواعد کلیہ گواہی بخشد، و بعد ازاں در ہر موضع بر نکتہ کلام شارح مطلع سازد، و بسبب قرین سلیقہ فہم کتاب پیدا شود۔ و شک نیست کہ احاطہ بجزئیات و انشاء مثل آنا، بعد احکام کلیات سہل تر مے باشد۔ مانند معرفت عروض بہ نسبت کسے کہ ممارست دواوین شعراء مے کند، و انشاء شعر مے کند۔

اگر تو یہ کہے کہ جو اصول ہم یہاں اصول تعلیم یا فن دانشمندی کے نام سے بیان کر رہے ہیں ان کو جاننے، یاد کرنے، سمجھنے کے بعد ایک طالب علم یا استاد کو ان سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

تو جواب یہ ہے کہ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

پہلا فائدہ یہ ہے کہ کتاب کے مطالعہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوگا اور عموماً یہ مطالعہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علم اصول تعلیم کے فوائد جو طلباء کے لیے مرتب کیے گئے ہیں اور علم کے شروع کرنے سے پہلے جن کا بتانا اور پڑھانا ضروری ہوتا ہے اور ان کو علم صرف، علم نحو، علم فقہ وغیرہ کی طرح یاد کر لینے کے بعد کسی کتاب کا مطالعہ شروع کرنا یا کتاب

Toobaa-elibrary.blogspot.com

کی شرح یا حاشیہ دیکھنا اور ایک ماہر اور مہربان اُستاد کا ان قواعد و کلیات کے مطابق تدریس بہت زیادہ مفید ہوتی ہے اور اس بارہ میں قطعی طور پر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے کہ کلیات اور اصول و ضوابط کے جان لینے کے بعد کسی بھی علم کی جزئیات اور مشکلات کا احاطہ اور مہارت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص علم عروض و قوافی تو جانتا ہو مگر شعر نہ کہہ سکتا ہو۔ اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص جو شعراء کرام کے دیوان کو یاد کر لیتا ہے اور ایسے شخص کے لیے شعر گوئی اور نظم بنانا آسان اور سہل تر ہوتا ہے۔

نوٹ: قلمی مسودات کا مطالعہ کرنے کے کئی پہلو ہوتے ہیں جو آج کل ایک سائنس کا درجہ حاصل کر چکے ہیں اور لائبریری سائنس میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ قلمی مسودات دیکھ کر یہ اندازہ ہوگا کہ یہ کس دور کی کتاب ہے، لکھنے والا شخص کون ہے، کیا مسودہ میں کوئی تحریف، تصحیف قطع برید تو نہیں کی گئی۔

اس کے مصنف کا نام اور علمی مقام کیا ہے، اور اس مسودہ کی تعلیم سے طلباء کو علمی فائدہ بھی ہوگا یا نہیں اور اگر فائدہ ہوگا تو وہ کس نوع کا فائدہ ہوگا۔

اس صورت میں طالب علم، مصنف کے کلام کا ہر نکتہ اور شارح کی غرض سے مکمل آگاہ ہو جانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ان تمام لوازمات کے بعد کتاب سمجھنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

فن دانشمندی علم جدید نہیں ہے

دوم آنکه عزیزان نام برده ها که عمده در دانشمندی ایشان، وامثال ایشان اندر

وقتیکه فنون دانشمندی را مخلوط با علم کلام، و اصول، وغیر آں ساخته اند، بسا است که طلب تمیز فنون دانشمندی از ایں علوم نکند، وآں ہمہ ہیئت اجتماعیه را علم انگارد، چنانکه حال اکثر خام طبعان اہل زمان است، پس علم را نیک احاطه کند بسبب انتشار اطرافش در نظر او، و نہ دانشمندی نیک ورزد بسبب عدم انتقال ذہن ہایں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فن دانشمندی یا اصول تعلیم کی تدریس، اس فن کے ماہرین اور معروف اسلاف اور وہ اساتذہ جن کا تذکرہ مندرجہ بالا بیان میں ہوا ہے وہ اس فن کی باقاعدہ تدریس نہیں کیا کرتے تھے بلکہ علم کلام اور اصول فقہ اور علم اصول حدیث وغیرہ میں ضم کر کے اس علم کی تدریس کرتے رہے ہیں اور بالعموم طلباء اصول تعلیم کو باقاعدہ کوئی الگ سے نہیں جانتے ہیں اور نہ ان کے علم میں ایسا کوئی علم ہے۔ چنانچہ اس زمانے کی اکثر خام طبع کا یہ حال ہے کہ چونکہ انہیں علم کے مختلف پہلوؤں میں انتشار نظر آتا ہے اس کی وجہ سے وہ اس کا صحیح طرح احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ فن دانشمندی پر عمل کر سکتے ہیں کیونکہ اس کی طرف ان کا ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا۔

نوٹ: اس فائدہ کے پیش نظر معلم کو چاہیے کہ طالب علم میں وقت کی قدر و قیمت اپنے اسلاف کی زندگی میں سے ان کی قدر کرنے کے واقعات اور وقت ضائع کرنے کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہیں۔

ساتھ ہی جس علم کی تدریس کی جا رہی ہے اس کے اصول و ضوابط اپنے پیش نظر رکھے اور اس علم کو جاننے کے فوائد اور نہ جاننے کے نقصانات سے طلباء کو متنبہ کرتے رہے۔ کیونکہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے طلباء جس وقت اور جس حالت میں ہیں ان کو وقت کی صحیح قدر و قیمت معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے سارے معاملات کو وہ جانتے ہیں بلکہ وہ خالی الذہن معاشرے کا بوجھ لے کر استاد کے سامنے

بیٹھے ہیں اور اب یہ استاد کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اپنے طلباء کو ان اسباق کے دوران معاشرہ کے مفید فرد یا بے کار فرد بنا دے۔ لہٰذا عموماً اس قسم کے علم کا علماء اور اساتذہ یا تو سرے سے انکار کر دیں گے یا اس کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں گے جس سے نہ صرف یہ کہ باقی بہت سارے علوم کی افادیت سے محروم ہو جائیں گے۔ بلکہ علمی استعداد میں بھی کمزور رہ جائیں گے۔

اور مدرسہ میں جو کچھ بھی پڑھایا پڑھایا جاتا ہے ان سب کو ملا کر وہ ایک علم جانتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی علم تو طالب علم کے قریب بھی نہیں پھٹکتے اور اس زمانہ کے اکثر خام طبع حضرات کا یہ عالم ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ تو حصول علم ہوتا ہے اور نہ ہی کسی علم میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کی نظر میں اکثر اساتذہ کی سوچ منتشر ہوتی ہے اور وہ اس طالب علم کو کچھ سمجھا نہیں پا رہے اور اصول تعلیم کی باقاعدہ کوئی کتاب یا مضمون نہ ہونے کی وجہ سے طالب علم کا ذہن ادھر منتقل نہیں ہوتا کہ اس علم کی آگاہی سے وہ ہر استاد کے کلام اور مضمون کو بدرجہ اتم اور بطریق احسن سمجھ سکیں اور افادہ کاملہ حاصل کر سکیں۔

آج کل مدارس میں عموماً یہ رواج چلا ہوا ہے کہ علم منطق، علم فلسفہ، علم ہیئت، علم عروض، علم امور عامہ، علم تصوف وغیرہ کو سرے سے دیس نکالا دیا جا چکا ہے اور جو استاد ان علوم کے خلاف بولے یا لکھے اس کو بڑا علم کا ماہر اور جدید دور کے تقاضوں سے آگاہ سمجھا جاتا ہے اور متعدد علوم میں مثلاً علم اصول فقہ اور علم فقہ عبادات کے ابواب کے علاوہ علم حدیث، اصول حدیث اور علم تفسیر، اصول تفسیر، علم ادب جاہلی آخر یا مدارس عربیہ میں قریب المرگ ہیں۔ بعض مدارس میں تو ویسے ہی ان کی روح قبل از وقت نکال دی گئی ہے۔

اسی طرح علم کلام جو تمام علموں کا اصل الاصول ہے اس کا تو یہ حال ہے کہ پورے دس سالہ درس نظامی میں سوائے شرح عقائد نسفی کے کوئی کتاب بھی زیر تعلیم نہیں آتی اور اگر کوئی ذہین طالب علم زیادہ شوقین ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ حاشیہ خیالی پڑھنے پر ہی اکتفا کر لیتا ہے جبکہ شام، مصر اور عرب ممالک میں کم از کم تین متن از بر کروائے جاتے ہیں اور اگر یہاں کے علماء اپنے مدارس میں یہ کام شروع فرمائیں تو یقیناً علماء کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا اور علماء کو لوگوں میں جا کر ان کی اصلاح کا حق ادا کرنے اور ان سے واقف کا موقعہ ملے گا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو آج کل کفر اور شرک کے فتاویٰ صادر ہونے لگتے ہیں ان میں بھی صحیح راہنمائی حاصل ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں بندہ یہ مشورہ دے گا کہ ہمارے امام ابو حنیفہ جو تمام علوم کی طرح علم کلام کے بھی امام ہیں اور انہوں نے فقہ اکبر، فقہ ابسط، العالم والمتعلم، کتاب الوصیہ اور انہی کو سامنے رکھ کر علامہ بیاضی نے اصول المنیفہ کے نام سے ایک متن مرتب کیا ہے۔ ان کو اگر داخل نصاب کر لیا جائے تو مدارس کے نصاب میں از حد مفید اور کئی جہات سے فائدہ کا باعث ہوگا۔ اسی سلسلے میں بندہ نے مجموعۃ العقائد الاکبر کے نام سے ایک مجموعہ مبارکہ مرتب کیا ہے جو مذکورہ تمام کتب کا مجموعہ ہے اور جمعیۃ پبلی کیشنز نے "فقہ اکبر و ابسط" نامی کتاب بندہ کی ترجمہ شدہ طبع کی ہے جو حضرت امام اعظم کی علم کلام پر مشتمل فقہ اکبر اور فقہ ابسط کا اردو ترجمہ ہے از حد مفید ہے۔ وللہ الحمد

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تتمہ اہمیت وافادیت دانشمندی

فنِ دانشمندی جدا و متمیز از علم اند، پس چوں لِس قاعدہ را یاد گیرد، در ذہن او از فنون دانشمندی امرے جامع محدود متمیز پیدا شود، و بأدنی عنایت در ہر موضوع صرف نماید، مسائل علم جدا ادراک کند، و از ہر جانب بآنہا محیط شود، وَمَآ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ.

تتمہ: طالبانِ علوم نبوت پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ علم اصول تعلیم ایک جدا اور دوسرے علوم کی طرح باقاعدہ علم ہے، جب کوئی طالب علم اس کے قواعد وضوابط جان لیتا ہے تو دوسرے علوم وفنون کے فوائد ونقصانات صرف اسی علم کی وجہ سے طالب علم اور استاد کے سامنے واضح ہو جائیں گے۔ اور تھوڑی سی توجہ سے ہر مشکل سے مشکل مقام طالب علم کے لیے سہل اور آسان ہو جائے گا اور ہر علم کے مسائل جدا جدا اور کھل کر اس کے سامنے آ جائیں گے۔

نوٹ: اس فن کو فن سمجھ کر سیکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طالب علم اس فن کو کسی صاحب فن سے سیکھے گا اور اس علم میں وہ ہر طرح ہر طرف سے مہیا ہو جائے گا۔ کیونکہ جو خود صاحب فن نہیں ہے وہ مسئلہ واضح نہیں کر سکے گا اور طالب علم کی تشنگی فہم، مزید وضاحت کی خواہشگار ہوگی اور وہ کسی ماہر فن کے لیے تو وضاحت کرنا ممکن ہوگا غیر ماہر طلباء کی علمی تسلی نہیں کروا سکے گا۔

وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

میں تو اپنی استطاعت اور طاقت کی حد تک اصلاح کی کوشش کا ارادہ رکھتا ہوں اور عمل کی توفیق اور کامیابی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عنایت فرماتی ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

مرد عالم چوں خواہد کہ شاگردان خود را از کتابے از کتب علوم درس می گوید بطریق درایت و تحقیق، لابد است او را از رعایت پانزدہ چیز، وہمچنیں اگر شخصے خواہد کہ شرح کتابے بکند، لابد است او را محافظت بر ایں امور۔

یہ بات اچھے طریقے سے معلوم ہونی چاہیے کہ اگر کوئی عالم شاگردوں کو کسی کتاب کی تدریس کرنا چاہے تو عقل وتحقیق کے مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے اس استاد کو پندرہ باتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص کسی کتاب کی شرح لکھنا چاہے تو اس کو بھی ان پندرہ باتوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔

نوٹ: شاہ رفیع الدین نے تکمیل الاذہان میں اس موقعہ پر بڑی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں، پہلے تو تدریس کی تعریف ارشاد فرمائی کہ تدریس کہتے ہیں کہ (تفہیم الکتاب باللسان) یعنی کتاب کی مراد کو طلبا کے لیے زبانی سمجھانا۔

اور اس کے تین درجات ہیں جو اساتذہ کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) سطحی طالب علم کے لیے یہ کوشش کی جائے کہ اس کو کتاب کا مفہوم اور اس کی مراد واضح طور سے سمجھ میں آ جائے تاکہ ان کا ذہن اس علم یا اس کتاب سے مانوس ہو جائے اور عالی طالب علم کے لیے وہ باتیں بیان کی جائیں جن کو یاد کر لینا آسان ہو اور ان تک بوقت ضرورت مراجعت ممکن ہو سکے اور مشکل کو آسان کر دیا جائے اور اس کو اس فن یا علم کا مطالعہ اچھی طرح کروایا جائے۔

(۲) اور مستقبل طالب علم (Student on rihlah) کے لیے کتاب کے ابتدائی مقامات کو خوب محنت کے ساتھ سکھائے جائیں اور وہ خود ہی مناسب وقت آنے پر اس کو اچھی طرح سمجھ جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر بھی وہ علماء سے اس موضوع کے بارے میں آراء معلوم کر کے اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لے گا۔

(۳) حاذق طالب علم وہ ہوتا ہے جو ہر علم کی ہر کتاب کو بالاستیعاب اور محنت کامل سے حاصل کرے گا اور ہر استاد کو چاہیے کہ کسی بھی علم کی ابتدا میں اس علم کا ایک آدھ متن طلباء کو ضرور ازبر کروا دیا کرے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

قاعدۂ اوّل ...... ضبط مشکل

ضبط مشکل یعنی اسماء و افعال کہ در عبارۃ واقع شدہ است، اگر محل اشتباہ باشد حرکات و سکنات او را بیان نماید

تعلیم کتاب کے دوران، متن میں سے سبق کے لیے پڑھی گئی عبارت میں موجود اسماء و افعال کی وضاحت کر دیں اور اس وضاحت میں ان کے معنی متعین کر دیں اور اگر ان میں الفاظ یا ابواب کے لحاظ سے کوئی مشکل ہو تو اعراب و سکون کے لحاظ سے اس کو واضح کر دیں۔

نوٹ: عبارت میں موجود اسماء اور افعال کے مشتقات اور ان کے ابواب کی تعیین اور ان میں پائی جانے والی خاصیات کے لحاظ سے ان کا مفہوم اور ان کا اعراب وغیرہ متعین کیا جائے اور اس کے مفہوم کی توضیح فرما دی جائے اور اس نام کے پس منظر میں جو واقعہ ہے یا اس کی کوئی وجہ تسمیہ ہے تو اس کو بیان کر دیا جائے۔

اسماء و افعال کی صورت دو اقسام یعنی معرب و مبنی یا معروف و مجہول میں سے کیا ہیں:

سہ اقسام یعنی اسم فعل حرف کی تعیین

چہارم اقسام: ثلاثی مجرد ثلاثی مزید رباعی مجرد رباعی مزید فیہ میں وضاحت کی جائے یا ثلاثی رباعی خماسی سداسی میں سے کیا ہے اس کی وضاحت کر دی جائے۔

شش اقسام: یعنی فا اور عین کلمہ کے اعراب کے لحاظ سے (۱) ماضی اور مضارع مفتوح العین جیسے فتح یفتح (۲) ماضی و مضارع دونوں مضموم العین جیسے کرم یکرم (۳) ماضی مضارع دونوں مکسور العین جیسے حسب یحسب (۴) ماضی مفتوح مضارع مضموم العین جیسے نصر ینصر۔ (۵) ماضی مفتوح مضارع مکسور العین جیسے ضرب یضرب۔ (۶) ماضی مکسور اور مضارع مفتوح العین جیسے علم یعلم۔

ہفت اقسام میں صحیح مہموز مثال مضاعف لفیف ناقص اجوف وغیرہ کی توضیح فرما دی جائے۔

اس سے طلباء کے لیے مفہوم سمجھنا اور انہیں علمی استعداد خوب پیدا ہو جائے گی۔

تتمہ قاعدۂ اوّل

ہم چنیں اعجام و اہمال حروف بیان کند، تا از تصحیف محفوظ ماند، چہ خطی و چہ تصحیف لفظی۔

اسی طرح اس کا معجمہ یا مہملہ یعنی نقطہ دار یا بے نقطہ ہونا بتا دیا جائے تاکہ عبارتی غلطی خواہ تقریر کے لحاظ سے ہو یا تحریر کے لحاظ سے اس سے طالب علم محفوظ رہ جائے۔

نوٹ: یہ ضابطہ عربی میں پڑھے پڑھائے جانے والے تمام علوم میں جاری ہوتا ہے۔

اس کی مثال جیسے عَاصِبُوْ، اَلِیْمُوْ، تَہِیْمُوْ، اَلِیْمُوْ، عَلِیْمُوْ میں معنی متعین کر دے اور واضح فرما دے کہ کیا لفظ ہے اور کن حروف سے مل کر بنا ہے اور اگر ہو سکے تو تجوید کے قواعد کے ساتھ اس کو واضح کر دیا جائے۔

وزن کے لحاظ سے ضارب بروزن فاعل ہے وہ وضاحت کر کے بتلا دے اور باب بدلنے کی وجہ سے معنی میں تبدیلی کی طرف اشارہ کر دے جس سے طلباء خود بخود علم الصرف کے خواصیات ابواب جو علم صرف کے مشکل ترین ابواب میں جانا جاتا ہے اور اکثر مدارس میں تو وہ معدوم ہی ہو کر رہ گئے ہیں اور کہیں تھوڑا بہت اثر دوران تعلیم باقی رہ بھی گیا ہے اس میں زیادہ تر رٹہ لگوا کر کام چلا لیا جاتا ہے۔

اور کسی مقام پر صلہ کی وجہ سے معنی بدلتے ہیں تو اس کی وضاحت کر دی جائے جیسے ضرب عن، ضرب فی ضرب الی، ضرب ب وغیرہ میں ہر ایک کے معنوں میں جو تبدیلی واقع ہوتی ہے اور بندے کے اکثر اوقات اصل مقصود سے بہت دور لے جاتی ہے اس کی وضاحت کر دے۔

اکثر پرویزی، چکڑالوی، شیعہ وغیرہ کی غلطیاں جو ان کی گمراہی کا باعث بنی ہوئی ہیں اسی نوعیت کی ہیں:

یا فقہ میں متن کنز الدقائق اور متن الوقایہ میں بعض اوقات عبارت اپنے مغلق انداز میں ذکر کی جاتی ہے کہ عام عالم کے بس کا روگ نہیں کہ اس مسئلے کی تہہ تک رسائی کر سکیں جیسے "مسئلہ الیر جحط" یعنی کوئیں کا مسئلہ اور اس کا حکم جحط کے الفاظ میں مرتب کر دیا گیا ہے۔

اب جحط لفظ کی مکمل وضاحت کر دی جائے یا یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ صیغہ کسی صرف و نحو کے قواعد میں سے نہیں ہے بلکہ اس مسئلے میں جو کہا گیا ہے اس کی وضاحت کر دی جائے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدہ دوم

شرح غریب الفاظ ومعانی

یعنی اگر لفظے قلیل الاستعمال کہ معنی آں نزد استعمال شاگرداں مفہوم نیست واقع شود، بیان او بحسب لغت و اصطلاح نماید

اگر دوران تدریس متن کوئی ایسا لفظ یا الفاظ آ جائیں جو قلیل الاستعمال ہوں اور عموماً لفظ یا تو استعمال ہوتا ہو یا نہیں لیکن طلباء میں وہ لفظ کسی اور مفہوم میں بدل کر استعمال ہوتا ہے تو اس کے بارے میں طلباء کو واضح کر دینا ضروری ہے اور اس لغوی مطلب اور اصطلاحی مطلب اور اس فن میں اس لفظ کے استعمال سے جو مراد لی جا رہی ہے یہ سب کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

نوٹ: یہ اصول عموماً اصول فقہ، علم عروض وغیرہ میں لاگو ہو سکتا ہے اور اسی طرح علم الکلام میں بھی اس کا اطلاق عموماً ہوتا ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ فقہ اکبر میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

وھو شئی

یعنی وہ اللہ شئی ہیں

اور اردو کے عام محاورے میں شے کسی بے جان چیز کو کہا جاتا ہے جو کہیں رکھ دیں تو پڑی رہے، اٹھا لیں تو کھڑی رہے اور کھڑا کر دیں تو کھڑی رہے۔

جب اس لفظ شے کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کریں اور مخاطب اس لفظ کی حقیقت نہ جانتا ہو تو وہ فوراً کفر کا فتویٰ لگا دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

مکروا ومکر اللہ (البقرہ)

انہوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے مکر کیا

اب بظاہر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا بے ادبی معلوم ہوتی ہے ورنہ اس لفظ کی حقیقت یہ ہے کہ جب لفظ مکر کا اردو ترجمہ سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں تو بے ادبی معلوم ہوتی ہے لیکن عربی محاورے کو سامنے رکھتے ہوئے مکر کا مفہوم ذہن میں لائیں تو مطلب یہ ہوگا تدبیر کرنا تو اب دونوں الفاظ کا معنی تدبیر ہو جائے گا۔ بے ادبی کا کوئی پہلو نظر آئے گا۔

اور یہی وجہ ہے حضرت شیخ الہند نے اس کا ترجمہ تقریب الاذہان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکر کیا، لہٰذا کوئی وجہ بے ادبی باقی نہ رہے گی۔

قاعدہ سوم

مغلق عبارت کا حکم

یعنی اگر ترکیبے عویص، یا صیغہ عویص کہ بر ذہن شاگرداں صعب باشد واقع شود، موافق علم نحو و صرف حل آں نماید۔

عبارت میں موجود مشکل معنی والی عبارت یا ترکیب ہو تو اس کی وضاحت کر دی جائے اور کوئی صیغہ ایسا مشکل ہو جس کی وضاحت طلباء کے لیے مشکل ہو یا طالب علم کے ذہن پر گراں ہو اس کو علم صرف ونحو کے قواعد کے پیش نظر حل کرے۔

نوٹ: یہ اصول بالعموم قرآن کی تفسیر میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے کلاموں کا بھی سردار ہے۔ لہٰذا اس کو سمجھنے کے لیے دو چیزیں پیش نظر رکھی جائیں۔

۱- عبارت کا مفہوم عیاں نہ ہونے سے معاملہ کفر تک نہ پہنچ جائے جیسے

واذ ابتلی ابراھیم ربہ

میں لفظ ابراہیم پر زبر پڑھیں تو یہ لفظ مفعول بن جائے گا۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا اور اگر لفظ ابراہیم پر پیش پڑھا جائے تو یہ لفظ فاعل بن جائے گا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم نے اپنے رب کو آزمایا جو صریحاً کفر ہے۔

یا عبارت اغلاق سے نکال دی جائے۔ جیسے والعادیات ضبحا فالموریات قدحا فالمغیرات صبحا ان کا مفہوم اس وقت تک واضح نہ ہوگا جب تک ان الفاظ کے معنی کی تشریح نہ کی جائے یا اس میں صیغہ کے لحاظ سے پائے جانے والے اغلاق کو دور نہ کیا جائے۔ یہ ضابطہ عربی ادب کی کتب میں اکثر لاگو ہوگا مثلاً مقامات حریری، سبع معلقہ، حماسہ

وغیرہ قسم کی کتابوں میں طالب علم کے ذہن میں ایک کہانی بنا کر مفہوم بٹھا دیا جائے اور لفظ کے معنی واضح کر دیے جائیں۔ جیسے ایک مقام پر ابوزید سروجی کہتے ہیں:

إن شئت أن تكل فكل وإن شئت قم فقل

ترکیب بڑی دلچسپ ہے مگر طلباء کو سمجھانے سے معلوم ہوا کہ اُدن دنی یدنو سے قریب ہونے کے معنوں میں ہے تکل، اکل یاکل سے فعل امر حاضر ہے۔ قم قام یقوم سے فعل امر کا صیغہ ہے اور قل قال یقول سے فعل امر کا صیغہ ہے۔

تو اس عبارت کا ترجمہ کرنے سے معاملہ حل ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو حال یہ ہوگا

ہم دعا کہتے ہیں وہ دعا پڑھتے ہیں ——— ایک ہی کہنے نے مجرم سے مجرم کر دیا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدہ چہارم

بیان تصور مسئلہ

یعنی اگر قاعدہ کہ در کتاب مذکور می شود بذہن شاگرد دل در نمی آید، بیان عبارہ واضح بکند، وبعض امثلہ آں بیان نماید، تا آں کہ بذہن شاگردان در آید۔

اگر کتاب میں کوئی بات اس انداز سے کہی جا رہی ہو جو طالب علم کی فہم میں آسانی کے ساتھ نہیں آ رہی تو اس کی صورت بنائی جائے اور عبارت میں اس کو کھول کر بیان کیا جائے اور اس کی مثال ذکر کی جائے تاکہ طالب علم کے ذہن میں بات آ جائے۔

نوٹ: یہ عموماً فقہ اور ریاضی وغیرہ اور طبیعات اور کیمیا وغیرہ میں اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ زکوۃ کا نصاب ان طلباء کو جو ریاضی نہ جانتے ہوں ان کے لیے سمجھنا مشکل ہے تو صورت یوں بنائی جائے کہ ایک کاغذ کے اگر ۴۰ ٹکڑے کر لیے جائیں تو ان میں ۵ عدد زکوۃ کا نصاب ہوگا یا ثمث یا ربع یا ثمن سمجھانے کے لیے ایک روٹی کے تین ٹکڑے کر لیں تو ثلث ایک ٹکڑا ہوگا، اگر چار ٹکڑے کر لیں تو ایک ٹکڑا ربع ہوگا اور اگر آٹھ ٹکڑے کر لیں تو ایک ٹکڑا ان میں ثمن کہلائے گا۔

یا طبیعات میں اگر جسم کا تعارف مقصود ہے تو ایسا چھوٹا ذرہ اگر اس کو توڑیں تو مادیت باقی نہ بچے۔ بلکہ توانائی اور جوہریت کا روپ اختیار کر لے یا فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

والشئ انه بلا جسم ولا جوهر ولا عرض

یعنی شئ وہ ہوتی ہے جو جسم جوہر اور عرض کے بغیر قائم ہو۔

اور جسم وہ ہوتا ہے جس کے ابعاد ثلاثہ ہوں لمبائی چوڑائی اور گہرائی اور جسم کو اگر اکائیوں میں بانٹا جائے تو جوہر نکل آتا ہے اور جوہر کے ذریعے جسم پر جو صفت لاحق ہوتی ہے عرض کہلاتی ہے۔ صورت یوں ہوگی کہ جسم میں روح جوہر ہے اور اس کی اچھی بری صفات عرض کہلاتی ہیں اور کئی جواہر کا مجموعہ جسم کہلاتا ہے۔

قاعدہ پنجم

تقریب دلائل کا بیان

یعنی اگر کتاب دلیلے بر مسئلہ اقامت کردہ است، مقدمات مطویہ آں را بوجہے مسوق گرداند، کہ بلزوم بعض مقدمات مر بعض را، یا اندراج در بعض منتج بہ مدعا باشد، ورجوع کند بمقدمات بدیہیہ کہ شک را در آں مدخل نبود بطریق بدیہی کہ شبہ در ل نیفتد۔

اس مسئلہ میں یہ بات زیر بحث ہے کہ دلائل اس انداز میں پیش کیے جائیں تاکہ وہ سامعین وطالبین کے ذہن کی عکاسی کریں لہٰذا اگر کتاب میں کسی مسئلے پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہے یا مزید دلیل قائم کرنا مقصود ہے تو دلائل سے قبل مقدمات دلیل یا مقدمات نتیجہ طلباء کے سامنے ضرور واضح کر دیا جائے ورنہ طالب علم کا ذہن لایعنی تشویشات میں الجھ جائے گا جبکہ ہمارے اس عمل سے طالب علم کی تربیت کرنا مقصود ہے اور اگر اس مقدمہ کو سمجھانے کی ضرورت کسی اور مقدمہ سے ہو تو اس کو بھی واضح کر دیا جائے یا اگر مدعا کسی نتیجہ میں چھپا ہوا ہے تو ایسی صورت میں ان مقدمات سے کام لینا چاہیے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور ہمارا اصل مدعیٰ بھی مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

نوٹ: یہ اصول علم ہیئت یا علم مناظرہ یا علم الفقہ یا علم اصول فقہ میں خاص طور پر پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔

مثلاً: اگر کوئی سوال کرے کہ عندالاحناف امام کے پیچھے فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

اس کا جواب چند مقدمات پر مشتمل ہوگا۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ امام اقتداء کے لیے ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا:

انما جعل الامام ليؤتم به

امام اس لیے ہوتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا اقتدائے امام کے منافی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فاتحہ نہیں پڑھی جانی چاہیے یا اسی طرح بعض مسائل میں کثیر احادیث نہ ہوں تو اس صورت میں مقدمہ اولیٰ کا حکم زیادہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور بھی ایک حدیث سے بھی ثابت

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زیادہ احادیث سے حکم ثابت ہوتا ہے ایک حدیث یا تھوڑی احادیث سے حکم ثابت نہیں ہوتا۔ تو ایسے دعویٰ کرنے والے احباب سے پوچھا جائے کہ ایک یا کم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں یا نہیں؟ اگر وہ شخص کہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے اقوال نہیں تو اس کے ثبوت کی ذمہ داری اس دعویٰ کرنے والے پر ہی آئے گی۔

اور اگر وہ شخص کہے کہ ہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے ہیں تو پوچھا جائے کہ دونوں باتوں میں تعارض کی صورت میں کس پر عمل کریں گے؟

یقیناً یہی کہا جائے گا کہ جس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نئی منقول ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ کسی حکم پر منع کیے جانے سے پہلے ہوگا اور کسی حکم سے منع کرنا عمل کیے جانے کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ اگر حکم دیا جا رہا ہے تو معلوم کرلینا چاہیے کہ اس سے منع تو نہیں کیا جا رہا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی قد نھیت کم عن زیارۃ القبور فزوروھا

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب زیارت کرلیا کرو

اور اسی طرح کی بے شمار مثالیں قرآن و سنت سے مل جائیں گی جن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک بات کا حکم یا اس کی نفی بعض حکمتوں کی وجہ سے تھی اور اس حکمت کو واضح کر دینے سے طلباء کو مسئلہ آسانی سے سمجھ آ سکتا ہے۔

قاعدہ ششم

تعریفات کا بیان و تتمہ

تحقیق تعریفات بہ بیان فوائد قیود

تتمہ وبسط قسمت و طریق انتزاع حد جامع مانع غیر مستدرک از میان آنہا۔

کسی بھی علم میں کسی بھی موضوع کو بیان کرتے وقت اس میں مذکورہ اصطلاحات کی تعیین اور ان کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس کی حدود و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو بیان کرلیا جائے اور اگر کسی قید میں کمی ہو تو اس کو پورا کرلیا جائے۔

تتمہ: اس اصطلاح کی اقسام بناتے ہوئے بات پھیلانا یا وجہ حصر کے طریقے سے اختراع امور کی تعیین کرتے ہوئے ان کی جامع حد معلوم کرنا تاکہ جو اس کے لوازمات حکم ہیں باہر نہ رہیں اور جو خوارجات حکم ہیں وہ اس کے اندر داخل نہ ہو جائیں اور زائد از تعریف باتیں خارج ہو جائیں اور تعریف شرح و بسط سے سارے لوازمات کو شامل ہو جائے۔

نوٹ: یہ اصول تقریباً تمام علوم میں استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ ہر علم میں کچھ اصطلاحات تو لازماً ہوتی ہیں۔ پس تقسیم کا طریقہ مثلاً یوں ہوگا کہ لفظ جو منہ سے نکلے وہ دو حال سے خالی نہیں با معنی ہوگا یا بے معنی۔ بے معنی کو مہمل کہتے ہیں، پھر بامعنی دو حال سے خالی نہیں۔ مقصودی معنی پر دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ اگر مقصودی معنی پہ دلالت نہ کرے تو حرف ہے اور اگر مقصودی معنی پر دلالت کرے تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ تین زمانوں یعنی ماضی حال اور مستقبل میں سے کسی کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا یا نہیں۔ اگر کسی زمانے کے ساتھ نہ جڑا ہو تو اسم کہلائے گا۔ اگر جڑا ہوا ہو تو دیکھا جائے گا کہ فعل ماضی کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا یا حال کے ساتھ یا مستقبل کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا۔ اگر زمانہ ماضی کے ساتھ جڑا ہوا ہو تو فعل ماضی ہے اور اگر حال یا استقبال کے ساتھ جڑا ہوا ہو تو فعل مضارع ہے۔

یا جیسے امام اعظم نے فقہ اکبر میں قرآن کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ:

والقرآن کلام اللہ تعالیٰ فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ وعلی الالسن مقروء وعلی النبی منزل

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب کہا قرآن اللہ کا کلام ہے تو مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر اللہ کا کلام قرآن ہے۔ باقی قیود لگا کر بات واضح کر دی کہ جو قرآن مصاحف میں لکھا جاتا ہے دلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔

مسئلہ: اسی تعریف کرنے سے ایک جدید مسئلہ پیش آ گیا کہ کیا موجودہ زمانے میں سی ڈی جو کمپیوٹر میں استعمال ہوتی ہے یا کیسٹس کا حکم بھی قرآن کا ہے یا نہیں ہے؟

جواب: نہ تو وہ مصحف ہے، نہ لکھا ہوا ہے، اس میں نہ دل ہے کہ اس میں محفوظ ہو نہ اس کی زبان ہے کہ جس سے وہ پڑھے۔ لہٰذا وہ قرآن نہ رہا۔

مگر ایک جملہ

وعلی النبی منزل

کہ وہ قرآن نبی پر نازل ہوا ہے۔ اب اگر قرآن سی ڈی میں ہے تو وہ قرآن بھی قرآن ہی کہلائے گا لیکن حقیقتاً قرآن نہیں ہے بلکہ حکماً قرآن پاک ہے اس لیے کہ اس پر ساری تعریف کا مکمل اطلاق نہیں ہو رہا ہے۔

اس تعریف میں تمام شرائط اور قیود ذکر کر دی گئی ہیں جس سے قرآن کا مفہوم واضح ہو گیا کہ "جس قرآن کو مخلوق نہیں کہہ سکتے وہ کون سا قرآن ہے" اب جو مصاحف بازار میں فروخت ہوتے ہیں اور وہ روزانہ پھٹ بھی جاتے ہیں، زیادہ استعمال سے ضائع بھی ہو جاتے ہیں، وہ حقیقتاً قرآن نہیں ہیں البتہ وہ حکماً قرآن ہیں اسی لیے ان پر قرآن کا نام لکھا ہوا ہے اور وہ قرآن ہونے پر دلالت بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی قرآن میں حدوث نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دائمی ہے۔

قاعدۂ ہفتم

قواعد کلیہ کی وضاحت

تبیین قواعد کلیہ بہ بیان فوائد قیود، و بسط قسمت، و مثال و وجہ انتزاع آں قاعدہ میان آن بوجہے کہ غیر مستدرک جامع و مانع باشد۔

قاعدہ کلیہ کو اس انداز میں اچھی طرح واضح کر دیا جائے کہ اس میں لازمی حدود و قیود کو بھی ذکر کر دیا جائے اور اس سے بننے والی اقسام کو واضح انداز میں مثالوں سمیت بیان کر دیا جائے اور اس میں اگر کوئی شرائط وغیرہ پائی جائیں تو ان کو اس انداز سے یوں ذکر کر دیا جائے کہ کوئی شرط یا قید ایسی نہ رہ جائے جو اس قاعدے کا فائدہ مخدوش و محدود کر دے۔

نوٹ: یہ اصول، عموماً علم اصول فقہ یا اصول افتاء یا علم کلیات وغیرہ یا تمام علوم اصول جہاں اصول کلیہ کا اطلاق ہوتا ہے وہاں یہ قاعدہ تدریس کے دوران مددگار ہوتا ہے۔ مثلاً

فقہ کے کلیات میں اصول ہے مَنْ جَدَّ وَجَدَ جو شخص کوشش کرتا ہے وہی اس کا بدلہ پاتا ہے۔

اب اس کی تشریح میں محنت کا لفظ لگانے سے اس کی محنت کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ وہ ایسی محنت ہو جو کسی اور شخص کی مضرت کا باعث نہ ہو تو اس محنت کا بدلہ ملے گا۔ اس اصول سے "نتیجہ" کا عنصر بھی خارج ہو گیا کہ ایک آدمی نے محنت کی مگر نتیجہ نہ پیدا ہوا کیا وہ اُجرت کا مستحق ہو گا یا نہیں؟ اصول یہ واضح کرتا ہے کہ اس نے محنت کی ہے۔ لہٰذا اس کی محنت کا بدلہ اس کو ملنا چاہیے۔

اور یہ مسئلہ کہ کتنی محنت ہو تو اس کو کیا اجرت ملنی چاہیے تو محنت اور بدلے کی برابری ہونے کی صورت میں برابر اُجرت ملنی چاہیے اور اس برابری کی تعیین زمانے میں زر کی اہمیت وقدر کی مناسبت سے طے کی جانی چاہیے۔ یہ ساری باتیں مذکورہ اصول کی تدریس میں آ جائیں گی۔ اسی طرح یہ اصول ہے کہ

کُلُّ فَاعِلٍ مَرفُوعٌ

یا وجود ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے

سوال: جاء موسیٰ کی ترتیب میں موسیٰ باوجود اس کے کہ فاعل ہے مگر مرفوع نہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مبنی ہے لہٰذا اسم متمکن منصرف ہونا چاہیے ورنہ اس پر اعراب جس طرح مطلوب ہے نہیں آئے گا۔ لہٰذا کہا جائے کہ لفظ موسیٰ پر فاعل ہونے کی وجہ سے ضمہ تقدیری ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدۂ ہشتم

بیان وجہ حصر

کشف وجہ حصر در تقسیمات یعنی بحسب استقراء، یا بدلیلے عقلی بیان کند کہ مطلوب در اقسام مذکورہ محصور است۔ و ہم چنیں وجہ تقدیم و تاخیر در فصول و قواعد بیان نماید۔

اگر کسی چیز کی تعریف کے بعد اس کو مختلف اقسام میں تقسیم کرنا مقصود ہو تو وجہ حصر استقرائی طریقہ سے یا عقلی دلیل کے ذریعے بیان کرنی چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل مطلوب اپنی مختلف قسموں میں بند ہے اس سے باہر نہیں اور اسی طرح یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اس تقسیم میں ایک بات کو مقدم کیوں کیا ہے اور دوسری کو مؤخر کیوں کیا گیا۔ ان اصول قواعد وغیرہ کو اچھی طرح بیان کر دیا جائے۔

نوٹ: یہ اصول بالعموم ابواب یا اقسام کے ذکر کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ کوئی علم جو ہم حاصل کریں دو حال سے خالی نہیں۔ دنیا میں اس کی منفعت مقصود ہوگی یا آخرت میں۔ اگر صرف دنیا میں مقصود ہے تو فن کہلاتا ہے جیسے علم زراعت، علم نجوم، علم کیمیا، علم طبیعات اور علوم کمپیوٹر اور علم لائبریری وغیرہ۔ اسی طرح علم ادویہ سازی، علم جراحت، علم لباس، علم حیاتیات، علم ارضیات، علم فلکیات، علم آرائش و گیسو، علم کشتی سازی، یا علم ٹیلری یا پارلر وغیرہ قسم کے ادارے۔ ان کو علم کی بجائے فنون کہا جاتا ہے۔

پھر جن علوم کی منفعت آخرت میں ہے وہ مقصود ہیں یا ذریعہ مقصود ہے جو علوم ذریعہ مقصود ہیں وہ علوم آلیہ کہلاتے ہیں جس سے علم نحو، علم صرف، علم منطق، علم ادب عربی، علم شعر، علم عروض و قوافی وغیرہ وغیرہ اور جو علوم مقصود ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں۔

اُمت کے اجماع سے معلوم ہوئے، نبی کے ذریعے معلوم ہوئے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوئے۔ اُمت کے اجماع سے معلوم ہونے والے مسائل کو علم اختلاف الامہ کہتے ہیں۔

نبی سے حاصل ہونے والا علم قولی ہوگا یا فعلی ہوگا یا تقریری ہوگا۔ اگر قول کے ذریعے حاصل ہوئے اس کو علم الحدیث کہتے ہیں اور تقریر کے ذریعے حاصل ہونے والے کو علم آثار کہتے ہیں۔ فعل یا عمل کے ذریعے سے حاصل ہونے والے علم کو علم السنۃ کہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے حاصل ہونے والا علم دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ پوری شریعت ہوگا یا جزوی قانون یا جزوی مسئلہ ہوگا۔

اگر جزوی مسئلہ ہے تو اس کو صحیفہ اگر اصولی مسئلہ اور مکمل شریعت ہو تو دیکھا جائے گا کہ کس نبی پر نازل ہوا، اس نبی پر سلسلہ نزول وحی ختم کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

اگر سلسلہ نبوت ختم نہیں کیا گیا تو ان انبیاء کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے یا نہیں اگر کیا گیا ہے تو موسیٰ پر توریت، عیسیٰ پر انجیل، داؤد پر زبور اور قرآن میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے تو بدھ پر تری پٹاکہ، زرتشت پر ژند وغیرہ۔

اور اگر وحی کا سلسلہ نبی پر ختم کر دیا گیا ہو تو قرآن خاتم الکتاب اور نبوت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔

اسی طرح جو تعلیم بھی دی جائے اس کی وجہ حصر بیان کر دی جائے کہ ہر چیز ایک لڑی میں پرو دی گئی ہو اور طلباء کے لیے قریب الاذہان ہو جائے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدۂ نہم

متشابہات کی تفریق

تفریق ملتبسین یعنی دو قسم باہم در بادیٔ نظر مشتبہ می شود، یا دو مذہب مخالف در نظر مشتبہ می شود بوجہ روشن درمیان آنہا تقریر کند۔

تفریق ملتبس یعنی اگر دو چیزیں یا دو مسئلے ظاہری نظر میں ایک دوسرے سے مشابہ ہوں یا ملتے جلتے ہوں یا دو مخالف مذہب دیکھنے میں ایک جیسے لگتے ہوں تو ان کے درمیان اختلاف واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ فرق معلوم ہو جائے۔

نوٹ: جیسے علم احسان علم تزکیہ، علم زہد، علم تصوف ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ تزکیہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اور فرمایا

قد افلح من زکّٰھا

"وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔"

پاک کرنے کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے جو گناہوں کو ترک کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔
اسی بات کو حدیث میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، ورنہ ایسے کرو کہ جیسے وہ تم کو دیکھ رہا ہے
یہ قرب الٰہی کا بلند ترین مرتبہ ہے اور اس کا نام احسان ہے۔ علم تصوف نام ہے۔

من صفی نفسہ من المعاصی والذنوب

یعنی معاصی اور ذنوب سے جو اپنے آپ کو صاف کرتا ہے

وہ تصوف پر چلتا ہے، یا دوئی ختم کرنے کا نام تصوف ہے اور یہ محبت باری میں وہ مقام ہے کہ

عشق آں آتش کہ اوچوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اسی طرح زہد بھی وہ اصطلاح ہے جو اکثر آئمہ کے ہاں تصوف کے معنی میں اس کا استعمال مسلمہ ہے اور زہد پر کئی ائمہ نے کتب تحریر کی ہیں اور اسی طرح فقہ کی اختلافی جزئیات میں بھی اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔

قاعدۂ دہم اختلاف میں تطبیق

تطبیق مختلفین۔ اگر در عبادت مصنف در دو جا اختلاف وارد شود، حل آن اختلاف نماید، خواہ اختلاف در ہر دو بدلالت مطابقی باشد، یا یکے مطابقی، و دیگر تضمنی، یا التزامی۔

مصنف نے اگر ایک ہی مضمون کو دو جگہ ذکر کیا مگر عبارت میں اختلاف آ گیا ہے تو اس اختلاف کو دور کرنا خواہ دونوں جگہ کا اختلاف دلالت مطابقی یا ایک دلالت مطابقی دوسری دلالت تضمنی یا التزامی کے ذریعے اختلاف کو ختم کیا جائے۔ اس اختلاف کو واضح طور پر بیان کر دینا تاکہ طالب علم کے لیے اس اختلاف کی حقیقت میں فرق کرنا اور اس کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

نوٹ: یہ اصول بالعموم علوم منقول میں استعمال ہوتا ہے جیسے صاحب خلاصہ کیدانی نے نماز کے دوران تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا حرام کاموں میں ذکر کیا ہے جبکہ اس کا ثبوت احادیث اور آئمہ احناف کے اجماعی موقف سے ہوتا ہے اور یہ رائے ان سب کے خلاف ہے۔ اس مقام پر خلاصہ کے مصنف نے وہاں قید احترازی لگائی ہے

کاھل الحدیث

اور یہ طریقہ کار انگلی کو اوپر نیچے یا دائیں بائیں یا گول دائرے کی شکل میں گھمانے کا ہے۔ جو عند الاحناف عمل کثیر ہونے کی وجہ سے حرام میں آتا ہے نہ کہ جیسے عام لوگوں کا خیال ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کا موقف اور علمائے افغان کی رائے ہے وہ صریحاً نماز میں تشہد کے دوران انگلی شہادت سے اشارہ کرنے سے ہی منع کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الرحمن علی العرش استوی

رب رحمٰن عرش پر مستوی ہو گیا

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

ہم ان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون

ہم ان کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں

تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد اسی طرح قیام اور استویٰ کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی حقیقت واضح نہیں کی گئی ہاں البتہ حضرت امام اعظم نے ان کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

ولیس قرب اللہ تعالیٰ ولا بعدہ من طریق طول المسافۃ وقصرھا (فقہ اکبر)

اللہ تعالیٰ کا قرب اور بعد مسافت کی درازی اور فاصلہ کی لمبائی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ بلا کیف ہے۔

قاعدۂ یازدہم

ظاہری اعتراضات کا ازالہ

دفع شبہات ظاہر الورود۔ مثلاً آنچہ در تعریفات ممنوع است۔ مثل استدراک، وتعریف الشئ بالاخفی، وعدم جمع ومنع یا آنچہ در دلائل منع است مانند جزئیۃ کبریٰ یا مخالف مصنف کلام آورد در بادی رائے شاگرداں بمنظر می آید یا مناظرۃ او بر قاعدہ مناظرہ نشست نمی خورد، عنایت نمودہ دفع آں نماید۔

دوران تدریس ظاہری طور پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ کیا جائے مثال کے طور پر تعریفات میں استدراک یعنی کسی مخفی شئے سے کسی چیز کی تعریف کرنا اور تعریف کا جامع مانع نہ ہونا یا دلائل میں جزئیہ کبریٰ کی طرح وہ بھی ممنوع ہو یا شاگردوں کو مصنف کے کلام میں بظاہر اختلاف نظر آئے یا مصنف کا استدلال، اس کے موقعہ محل کے مطابق نہ ہو۔ استاد پر لازم ہے کہ ان شبہات کی طرف توجہ کر کے طلباء کے سامنے ان کا ازالہ کرے۔

نوٹ: یہ قاعدہ دہم کا تکملہ ہے۔

اس قاعدہ میں اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی اصطلاح کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس کی مستثنیات واضح کی جائیں اور اس تعریف پر وارد ہونے والے ظاہری اعتراضات پہلے سے رفع کر دیے جائیں۔ جیسے فقہ کی تعریف بقول امام اعظم یوں ہے:

ھو معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا

نفس اور اس کے متعلقات کی پہچان کا نام فقہ ہے

اعتراض: یہ تعریف غیر کو بھی شامل ہے یعنی علم تصوف بھی اس میں شامل ہو گیا اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ تعریف الشئ بالاخفی ہو گئی ہے۔ کیونکہ فقہ کا تعلق نفس سے نہیں بلکہ اشخاص اور افراد سے ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ تعریف جامع تمام لوازمات اور دافع عن المفردات نہیں ہے؟ کیونکہ علم نفسیات، علم تصوف، علم طب، علم الحیوانات، علم امیاتیات، علم تہذیب النفس، علم المعاشریات سب اس میں شامل ہو گئے ہیں۔

اور اسی طرح ان تمام سوالات اعتراضات پر دوسرے مصنفین یا شارحین نے اگر کوئی کلام کیا ہے تو اس کو ذکر کر دیا جائے یا علم مناظرہ میں جو دلیل دی گئی وہ دلیل مناظرہ پر پوری نہیں اترتی۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا

یعنی اگر اللہ کے علاوہ اس کائنات میں کوئی اور معبود ہوتا تو یہاں فساد ہی فساد ہوتا

اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ طلباء کے ذہن میں اس جملے یا اصول وقاعدہ کے بارہ میں اعتراض یا شبہ ہو گا وہ رفع ہو جائے گا اور ذہنی اطمینان پیدا ہونے سے طلباء میں علمی رسوخ اور اعتماد پیدا ہوتا ہے اور اساتذہ سے سیکھنے کے عمل میں وسعت پیدا ہو گی۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدۂ دوازدہم

حوالہ جات کی وضاحت

بیان حوالہ جائیکہ حوالہ کردہ باشد، وبیان وجہ نظر جائیکہ گفتہ است، وفیہ نظر، وبیان مقدر جائیکہ بآن اشارہ نمودہ باشد۔

اگر کسی بات کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو واضح کر دیا اور اگر ماتن نے متن میں کسی مقام پر صرف اتنی بات کہی ہے کہ "وفیہ نظر" یعنی اس عبارت میں ایک اعتراض ہے تو اُستاد طلباء کے لیے وجہ نظر یا اعتراض کی تقریر کو بیان کر دے اور وہ مقدر عبارت یا سوال اور اس کی وضاحت کے ساتھ اس کا جواب بھی ذکر کر دے۔

نوٹ: یہ اصول علوم منقولی اور معقولی دونوں جگہ پر استعمال ہوتا ہے۔

حوالہ جات کے ضمن میں یہ بات ہے مثلاً ایک حدیث میں ایک صحابی کا قول ہے کہ ہم میں سے اگر کسی شخص کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جاتا تو اس کا حل بھی قرآن سے معلوم کرتے۔

عموماً سوال کیا جائے گا کہ یہ بات قرآن کریم میں کہاں ہے؟ کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو کیسے درست کرو؟ اب اس کی وضاحت اور مراد متکلم پر لازم ہے کہ وہ ضرور بتائے۔

دوسری طرف قرآن کریم میں سے مسائل ثابت کرنے کے اصول وضابطہ کے لیے اصول فقہ کی کتب میں سے پہلا باب "الکتاب" اور اس کے مشتملات کا اجمالی تعارف کروا دینا تاکہ حدیث کی حقانیت واضح ہو جائے یا ابن عباس کی حدیث کہ جیسے:

سات زمین اور سات آسمان ہیں اور ہر زمین میں اس زمین کی طرح کے انبیاء کا ظہور ہوا ہے۔ اس حدیث کا لوگ عموماً انکار کرتے تھے تو اس کی وجہ "وفیہ نظر" ہے یعنی عام قاری اس بات کو جاننے سے قاصر ہے اور علماء اس کی مراد کو پہنچ نہیں پاتے تھے۔ لہذا بعض علماء نے اس حدیث کو اسرائیلیات میں سے قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا تھا اور بعض اس کا ویسے ہی انکار کر دیتے تھے۔ مگر مولانا قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس"

ابن عباس کی حدیث کے انکار سے لوگوں کو ڈرایا۔ یہ کتاب لکھ کر مشکل ترین مسئلہ کو سہل الوصول والحصول کر دیا اور حدیث پر سے تمام شبہات ختم کر دیے اور اس میں کوئی وجہ نظر بھی باقی نہ رہی۔

اور اصطلاح "وفیہ نظر" کا استعمال عام طور پر وہاں کیا جاتا ہے جب کسی بات میں اعتراض ہو اور اس اعتراض کو دلائل کے بغیر بات سمجھانا ناممکن ہو۔

قاعدۂ سیزدہم

ترجمہ عبارت

ترجمہ عبارت کتاب بلغت شاگردان اگر لغت ایشان مخالف کتاب باشد۔

اگر طلباء کی زبان اس تدریسی کتاب کی زبان سے مختلف ہے تو اس عبارت کا ترجمہ کروا دیا جائے۔

نوٹ: اُستاد کو چاہیے کہ اس عبارت کا ترجمہ اپنی نگرانی میں کروا دے۔

اس کام سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ طلباء میں علمی لحاظ سے استحکام اور مضبوطی آئے گی اور دوران ترجمہ بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو ان کے لیے واضح ہو جائیں گی۔ قبل ازیں جو کچھ وہ پڑھ چکے ہوں گے اس کو ترجمے میں جوڑ کر سمجھ بھی جائیں گے کہ جو ہم نے پڑھا اور جو اس سے پہلے سمجھا تھا اس میں کیا ربط ہے اور اس دوران اگر کوئی شبہ لاحق ہو تو اس کا بھی ازالہ کر دیا جائے۔ ترجمہ میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اس کا لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ بامحاورہ ترجمہ بھی کروا دیا جائے۔ اس لیے کہ لفظی ترجمے میں عموماً اپنی مراد متعین کرنا آسان نہیں ہوتا۔ البتہ بامحاورہ ترجمہ میں ایسا کرنا ازحد آسان ہوتا ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاعدہ چہاردہم

توجیہات کی تنقیح، وضاحت

تنقیح توجیہات و تعیین صواب آنہا۔ یعنی اگر درین امور دو گانہ را مدرسین و شراح مختلف شود۔ جمعی بوجہی شرح غریب کند، وجمعی بوجہی دیگر، و نزاعی درمیان توجیہات بہم آید، تنقیح آن توجیہات و تعیین بہترین آنہا نماید، وہم درین قیاس باید ضبط مشکل و حل مشکل و غیر آن را۔

اگر کسی عبارت میں شارح اور ماتن یا حاشیہ اور ماتن وغیرہ کا اختلاف رائے ہو اور اس عبارت سے دو یا زیادہ رائے نظر آ رہی ہیں اور ان کی بھی صورت ایسی ہے کہ اگر ان دونوں باتوں کو جمع کیا جائے تو شرح اس بات کی اجازت نہیں دیتی تو ان دونوں باتوں کو جمع کرنے کے لیے ان کے درمیان جس قدر توجیہات ممکن ہوں سب ذکر کر دی جائیں۔ ان توجیہات کی تنقیح کرنا، ان میں بہترین توجیہ واضح کرنا اور اسی طرح مشکل کو آسان طریقے سے حل کرنا اور منضبط کرنا ضروری ہے تاکہ طلباء اصل مدعا تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکیں۔

نوٹ: یہ اصول عموماً علوم منقول میں ذکر کیا جاتا ہے جیسے ایک حدیث پاک میں ہے:

لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب

اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنا کرو اور اس کی طرف متوجہ رہا کرو۔

یہاں حدیث و قرآن کریم کی آیت میں بظاہر تضاد نظر آ رہا ہے، اب ان پر اس طریقہ سے عمل کیا جائے کہ قرآن کی آیت کا مفہوم اپنے ظاہر سے نہ ہٹ جائے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ جب بھی قرآن کریم پڑھا جائے تو اس وقت خاموش بھی رہا جائے اور اس کی طرف دھیان بھی دیا جائے۔

اور نماز کے دوران جب ہم امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں تو امام کی وجہ سے قراءت کا فریضہ تو تمام مقتدیوں سے ساقط ہو کر امام کی طرف منتقل ہو گیا۔ لہٰذا مقتدی قرآن کریم کی آیت پر عمل کرنے سے خود بخود عامل بالحدیث بھی ہو جائے گا اور دوسری حدیث اس کی تائید بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ

اگر کوئی شخص امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہوگی۔

قاعدہ پانزدہم

سہولت تقریر کی وضاحت

سہولت تقریر، یعنی این صنائع دوازدہ گانہ ادا نماید بعبارت واضحہ موجزہ، قریبہ بذہن، سہل التناول، واز آنجملہ است مزج، یعنی عبارت مصنف را با عبارت خود بوجہی مخلوط سازد کہ مجموع متسق باشد۔

اُستاد کا انداز بیان مذکورہ بالا اصول کو استعمال کرتے ہوئے اس قدر آسان ہو کہ ذہن کو پریشان کرنے کی بجائے طالب علم کو مضمون کتاب کے قریب کرے اور اس کو سمجھنا از بر کرنا اور لکھنا آسان ہو جائے۔

یعنی اُوپر جن بارہ باتوں کو تذکرہ ہوا ہے ان کو اُستاد اس آسان اور واضح انداز میں بیان کرے کہ وہ طلباء کے ذہن کے قریب اور ان کو سمجھنا آسان ہو جائے یعنی کم از کم الفاظ میں پورا مفہوم ادا کر دیا جائے کہ اس میں لایعنی اور غیر ضروری باتیں شامل نہ ہو جائیں ان کا اخذ کرنا آسان ہو، ان میں سے ایک بات امتزاج بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُستاد اپنی بات کو مصنف کی بات کے ساتھ ملا کر اس انداز میں طلباء کے سامنے پیش کرے کہ دونوں عبارتیں باہم مربوط اور ہم آہنگ محسوس ہونے لگیں۔

نوٹ: اصول مزج یعنی دوران تدریس اُستاد اپنی بات کو کتاب کے متن کی تدریس میں اس طرح ملا دے کہ دونوں ایک دوسرے کی وضاحت کر رہی ہوں اور کتاب کی عبارت استاد کی تقریر ایک جیسی محسوس ہو کر ایک دوسرے کی وضاحت کر رہی ہوں۔

اس اصول کا اطلاق ان تمام علوم میں ہوتا ہے جو کسی متن کی مدد سے پڑھے جاتے ہیں اور متن بھی طالب علم کی زبان سے مختلف ہو تو ان کے سامنے تھوڑا سا اجمال کے بعد اس پر اعتراض اور اس کا جواب اور اس میں اختلاف آراء بیان کرے۔

یا تو اس کے بارے میں مختلف اقوال کا تذکرہ کر دے اور آخر میں ترجمہ طالب علم سے سوال و جواب ساتھ ساتھ سمیٹا جائے کہ اگر ان کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو اس کو حل کر دیا جائے۔ پھر تھوڑی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبارت پڑھے پھر اسی طرح عبارت استاد کی تقریر طلباء کے سوال جواب اور ساتھ ساتھ ترجمہ ہونا چاہیے۔

اس کی سب سے عمدہ مثال علامہ سرخسی کی تصانیف ہیں اس لیے کہ انہوں نے جس قدر تصانیف بھی مرتب فرمائی ہیں ان میں جو کتاب کسی دوسری کتاب کی شرح ہے وہ اس بات کی عمدہ مثال ہے۔

اسی طرح علامہ کاسانی کی البدائع والصنائع اس کی عمدہ مثال ہے کیونکہ اس کا متن تحفۃ الفقہاء امام سمرقندی کا متن ہے جس کی شرح علامہ کاسانی نے اس انداز میں کی ہے کہ متن اور شرح ایک ہو گئے ہیں۔

یہ تو تصانیف میں سے مثال بیان کی گئی ہے لیکن استاد کو چاہیے کہ ان کتابوں کو دیکھ کر اپنے تدریس کے عمل کو اس کے موافق بنائے اس سے طلباء میں یکسوئی اور دلچسپی بڑھ جائے گی۔

اختتام سبق پر ہدایات

چوں ایں پانزدہ صنعت را احقاق نماید کامل ش. در تدریس و در شرح کتب و استاد مشفق را باید کہ شاگردانِ خود را۔

اوّلاً: بریں بطریق اجمال مطلع سازد۔

وثانیاً: آنکہ چون در شروح بریں امور گردد متنبہ سازد کہ آنجا غرض شارح فلان است۔ و این جا فلاں امر۔

وثالثاً: بفرماید کہ در مطالعہ کتاب این امور پیش نظر خود سازد۔ و در ہمیں میدانہا فکر خود را جولان دہد۔

رابعاً: مطالعہ شاگرد را بر مطالعہ خود غرض کند، آنچہ غلط است بر آن متنبہ سازد بوجہی کہ آن غلط ذہن او را روشن شود، و بر طریق احتیاط از مثل این غلط نیز متنبہ گرداند۔

خامساً: بہ تحریر شرح و حاشیہ کتابی فرماید، و علمیت او را امتحان نماید، تا حق تربیت را بکمال رسانیدہ باشد۔

جب ایک عالم مذکورہ پندرہ اصول پیش نظر رکھ کر تدریس کرے تو طلباء کو فائدہ ہونے لگے گا اور اس کی تدریس اور شرح کتاب کے طریقے میں آسانی ہونے لگے تو استاد کو چاہیے کہ اپنے ہر سبق آخر میں اپنے شاگردوں کو مندرجہ ذیل اصول پیش نظر رکھتے ہوئے ہدایات دیا کرے:

۱- اجمالی طور پر سارے سبق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے بات واضح کر دے کہ ہم نے کیا پڑھا اس کا خلاصہ کیا ہے اور ہماری اس تعلیم کا مقصد اور اس کا مدعا کیا ہے۔

۲- شروحات کا مطالعہ کریں تو انہیں آگاہ کر دے کہ شارح کی غرض شرح کرتے ہوئے کیا ہے اور ماتن کی غرض متن کیا تھی اور متن میں ماتن اور شرح میں شارح کیا کہنا چاہتے ہیں۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳- اُستاد طلباء کی رہنمائی کرے کہ وہ مندرجہ بالا اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کریں اور اپنے ہر قسم کے علم حاصل کرنے میں ان اصول وضوابط کو پیش نظر رکھیں اور سبق کے بارے میں ان اصولوں کو ذہن میں رکھ کر سوچا کریں۔

۴- آغاز سبق سے پہلے شاگردوں کو موقع دے تاکہ وہ واضح کر سکیں کہ انہوں نے کیا مطالعہ کیا ہے۔ اگر ان کے مطالعہ میں کوئی غلطی ہو تو اس کو درست کر دے اور اس غلطی کی درستگی بھی اس طریقہ سے کرے کہ واقعی شاگرد کو وہ غلطی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اُستاد تو کہے کہ غلط ہے مگر شاگرد کو کچھ پتہ نہ چلے کہ غلطی کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اگر ہو سکے اس کو مثال کے ذریعے واضح کر دے اور غلطی کی صورت بنا کر واضح کر دے۔

۵- آخر میں کسی کتاب کی شرح یا حاشیہ تحریر کروائے تاکہ اس کی علمیت معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نکالے تاکہ شاگرد کی علمیت کا صحیح اندازہ ہو جائے اور شاگرد کی تربیت علمی کا حق صحیح طریقہ پر ادا ہو سکے۔

نوٹ: چونکہ تدریس کا اصل مدعا طلباء علوم نبویہ کی استعداد میں اضافہ کروانا ہے اور اس لحاظ سے یہ بار اساتذہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی تدریس کے عمل کے دوران طلباء کی استعداد بڑھانے کے ہر عمل اور ہر طریقے کو استعمال کریں اس میں ان کا مطالعہ ان کا تکرار، ان کا حاشیہ نویسی، ان کا مطالعہ کتب اور ان کا ابلاغ اور تقریر ہر صلاحیت کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے تاکہ آئندہ زمانے میں وہ دوسرے لوگوں کو صحیح انداز سے تعلیمی راہنمائی مہیا کر سکیں۔

خاتمہ

بباید دانست کہ ایں دانشمندی در کتب معقول و منقول، و علوم برہانیہ وخطابیہ، ہم جاری است، و در کتب منقول احتیاج بتحقیق عبارت بیشتر مے افتد، و در کتب معقول احتیاج بتحقیق مسئلہ، و در علوم برہانیہ احتیاج بارجاع مقدمات بدیہیہ بواسطہ یا بوسائط کثیرہ، وبطریق برہان مے بباید کرد، و در علوم خطابیہ بطریق ظن مے باید نمود، ایں تقریر فن دانشمندی از اساتذۂ خود بسند مذکور کسب نمودہ ام۔

جان لینا چاہیے!

کہ یہ علم اصول تعلیم، کتب معقول ومنقول اور علوم برہانیہ وعلوم خطابیہ سبھی کی تدریس کے دوران استعمال میں آتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کتب منقول میں عبارت کی تحقیق، صیغہ، ترکیب اور لغت کے لحاظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ جبکہ کتب معقول میں تحقیق مسئلہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ دلائل کے ذریعے سے بات کھول دی جائے اور علوم برہانیہ میں ایک یا متعدد ذریعوں سے مقدمات بدیہیہ کے ساتھ بات کو لوٹائے جانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طریق برہان سے بات مبرہن ہو جائے جبکہ علوم خطابیہ میں بات بطریق ظن وتخمین واضح ہوتی ہے اور وہ ظن تخمین کے حدود میں رہ کر بات اسی میں ختم ہو جاتی ہے۔

خاتمہ: یہ بیان تھا علم اصول تعلیم کا جو میں نے اپنے اساتذہ سے مذکورہ سند کے ساتھ حاصل کیے تھے۔

نوٹ: علمائے کرام اور طلبائے عظام!

علم اصول تعلیم ایک ایسا فن ہے جس کے بغیر کوئی اُستاد یا مدرس حقیقی معنوں میں مدرس کہلانے کے لائق نہیں ہوتا۔

عام سکول وکالج میں مدرس یا معلم ہونے کے لیے متعدد قسم کے کورس پہلے سے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں درجات متعین ہیں کہ پی ٹی سی کرنے کے بعد وہ صاحب صرف پانچویں تک پڑھانے کا اہل قرار

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پاتا ہے۔ بی ٹی کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ زراعت میں صرف زرعی علوم پڑھانے کے اہل ٹیکنیکل تعلیم وتربیت سے صرف مروجہ ہنر مثلاً بجلی، لکڑی وغیرہ کے ضروری سامان کی تیاری، اسی طرح اوٹی کرنے سے صرف السنہ شرقیہ پڑھانے میں کا اہل قرار پاتا ہے۔ بی ایڈ کرنے پر صرف میٹرک تک پڑھانے کا اہل قرار پاتا ہے لیکن اس کے باوجود ملک کا تعلیمی نظام روز بدن تنزلی کا شکار ہے۔

اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی تفصیلی تعلیمی کورس یا تربیت اساتذہ کا کوئی لمبا نہیں تو کم از کم رمضان کی چھٹیوں میں منتظمین مدارس اسلامیہ یا منتظمین وفاق المدارس کو چاہیے کہ وہ اس کا انتظام کر لیا کریں۔

اس سے یہ بات بعید نہیں کہ طلباء میں جذبہ حصول علم کا شوق بھی بیدار ہو اور اساتذہ میں جذبہ تعلیم و تربیت کا اضافہ بھی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کے ساتھ ساتھ نبی علیہ السلام کی نیابت بھی نصیب ہوگی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت معلما

مجھے معلم بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے

فن دانشمندی اور مطالعہ قرآن

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے

فن دانشمندی کے یہ اصول دراصل فن تدریس کے راہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ کے دور میں چونکہ درسی کتاب مدرس کا محور و مرکز ہوتی تھی۔ لہٰذا ان اصولوں کو شاہ صاحب نے کتاب دانی کے اصول قرار دیا تھا۔ آج بھی بہت ساری تعلیمی عمل میں معاون ایجادات کے باوجود درسی کتب سے انکار ناممکن ہے۔ لہٰذا آج بھی خاص طور سے درسی کتاب کے مطالعہ تدریس اور بالعموم فن تدریس کے مختلف پہلوؤں کے لیے شاہ صاحب کے اصولوں کو راہنما بنایا جا سکتا ہے۔

مطالعہ قرآن پر ان کا اطلاق بڑا واضح ہے مثلاً شاہ ولی اللہ اپنے تلامذہ کو سند دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”قرآن مجید کے غیر مانوس الفاظ، اس کے معانی اور شان نزول کے بارے میں جو مشکلات پیش آئی ہیں ان کے متعلق بحث تمحیص کی اور میں نے ان مشکلات کو دور کیا۔“

یہ مطالعہ قرآن کے سلسلہ میں فن دانشمندی کے پہلے پانچ اصولوں کے اطلاق کی مثال ہے باقی اصولوں کو موقعہ محل کی مناسبت سے مطالعہ قرآن کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

عام طالب علموں کے لیے مطالعہ قرآن کا جو طریقہ شاہ صاحب نے تجویز فرمایا ہے وہ اس سے قدرے مختلف ہے۔ اس میں شاہ صاحب شرح و تفسیر سے بڑھ کر متن قرآن کو خاص توجہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اس غرض کے لیے وہ عربی زبان کی بنیادی واقفیت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس واقفیت کی بنیاد پر وہ قرآن حکیم کے لفظی ترجمے کی سفارش کرتے ہیں اور اس حوالے سے متن کے فہم پر زور دیتے ہیں۔ اس ضمن میں تخریج طلب مقامات کی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کے لیے اُستاد کی طرف سے ناگزیر ہو تو کسی اور مستند تفسیر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحب مطالعہ قرآن کے سلسلے میں اس طریقے سے پہلا دور مکمل کرنے کی سفارش کرتے ہیں دوسرے دور میں شاہ صاحب مطالعہ قرآن کے لیے کسی مختصر تفسیر کو شامل نصاب کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے تھی کہ اس طریقہ تدریس سے طالب علم براہ راست کلام اللہ تک رسائی حاصل کر سکے گا۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے جو انہوں نے اپنے رسالے ''قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کریں'' کے چوتھے اور پانچویں باب میں ارشاد فرمائی (اس میں بعض ایسی لفظی ترامیم کے ساتھ جو وقت بدلنے کے کے ساتھ متروک یا تبدیل ہو چکی ہیں) یہاں نقل کرنا ازحد مفید ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قرآن پاک کو کمزور کرنے کی منظم سازش:

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کے کمزور ہونے کی جو کوششیں ہوئی ہیں ان کے بارے میں امام عبدہ مصری کی رائے نقل کی جائے۔ علامہ موصوف اپنی کتاب الاسلام والنصرانیہ میں ص ۱۱۳ پر مسلمانوں کے جمود اور اس کے اسباب کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کے بعد ایک خلیفہ نے سیاسی غلطی کی اور اسلامی احکام میں وسعت کے باعث اس کو اس امر کا موقعہ مل گیا۔ جس کو وہ اپنے خیال میں اپنے لیے بہتر سمجھتا تھا۔ اس کو خیال ہوا کہ عربی لشکر ممکن ہے کہ علوی خلیفہ کا مددگار بن جائے کیونکہ علویوں کو نبوت کے گھرانے سے زیادہ تعلق تھا۔ اس نے ترک و دیلم وغیرہ جیسے علاقوں میں سے ایک اجنبیوں کی فوج تیار کی۔ اس فوج کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ انہیں اپنی طاقت سے فرمانبردار اور احسان سے اپنا مطیع رکھ سکے گا۔ وہ سلطنت کے باغیوں کی مدد نہ کرے گی اور جو طالب مملکت ہیں یہ فوج ان کی مددگار نہ ہوگی اور اسلامی احکام کی وسعت اور سہولت نے اس امر کو اس کے لیے جائز

رکھا اور اسلام بدل کر عجمی ہو گیا۔

ایک عباسی خلیفہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی ذات اور جانشینوں کے لیے بہتری پیدا کرے۔ اس طرح اس نے اپنی قوم اور مذہب سے برائی کی۔ اس نے عجمیوں کی فوج میں اضافہ کیا اور عجمی سرداروں کو اس لشکر میں مقرر کیا۔ صبح سے شام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ سرداران لشکر خلفاء پر قابض ہو گئے اور سلطنت خلفاء کے ہاتھوں سے نکل کر عجمیوں کے قبضے میں آ گئی۔ ان لوگوں کو وہ عقل نہ تھی جو اسلام سے پختہ ہو چکی ہو اور نہ وہ دل تھا جو مذہب سے مہذب ہو چکا ہو۔ یہ لوگ جہالت اور ظلم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلام میں داخل ہوئے تو اسلام کو کپڑوں کی طرح اپنے جسم پر اوڑھ لیا کوئی اثر اس کا ان کے وجدان میں نہیں پہنچا۔ ان میں سے اکثر لوگ اپنے معبودوں اور اپنے بتوں کو ساتھ لائے تھے جن کی خلوت میں پرستش کیا کرتے تھے اور اعلانیہ طور پر اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لیے باجماعت نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تاتاریوں وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا اور بعض لوگ اس پر قابض ہو گئے۔ مگر یہ تمام حملے علم کے شدید ترین حملے کے مقابلے میں ہیچ تھے جو لوگوں کو ان کا مرتبہ بتانے والا اور ان کے چال چلن کی خرابیوں کو ان کے سامنے ظاہر کرنے والا ہے۔

انہوں نے علم اور اس کی دولت اسلام پر حملہ کیا اور اپنے مددگاروں کی جماعت کو آمادہ کیا کہ وہ علماء کے زمرے میں داخل ہو جائیں اور علم کا لباس پہن لیں اور اہل علم میں شمار ہونے لگیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے عوام الناس کے درمیان ایسی مذہبی باتیں پھیلائیں کہ علم سے ان کو نفرت ہو اور علم کی طلب میں ان کے دلوں میں دوری پیدا ہو۔ پرہیزگاری اور مذہبی حمایت کے مدعی ہو کر یہ لوگ ان غافلوں میں داخل ہوئے اور دعویٰ کیا کہ مذہب ناقص ہے اور ہم اس کو کامل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہ اسلام مریض ہو چکا ہے اور ہم اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ اسلام منہدم ہونے والا ہے اور ہم اس کو سہارا دینے والے ہیں یا وہ بوڑھا ہو چکا ہے ہم اس کو مضبوط کرنے والے ہیں۔

انہوں نے اپنے بت پرستی کے زمانے کی رسموں کو دیکھا نیز اپنے اردگرد میں بسنے والی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری قوموں پر نظر ڈالی اور اسلام کے لیے ایسی باتیں عاریتاً لیں جن سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا لیکن وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہوئے کہ یہ شعائر اسلام کی تعظیم ہے اس کام کو اور زیادہ رواج اور منظم کرنے کی غرض سے انہوں نے ہمارے لیے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کیے۔ علماء اور اولیاء کی عبادات ہمارے لیے مقرر کیے۔ جس سے اسلامی جماعت میں فرقہ واریت کی بنیاد پڑی اور لوگ گمراہ ہونے لگے۔ اس زمانے میں انہوں نے یہ اصول بھی طے کیا کہ آنے والے لوگوں کو کوئی ایسی بات کہنے کا حق نہیں جو اس سے پہلے ان کے اسلاف نہ کہہ چکے ہوں۔ یہ بات عقیدے میں شامل کر لی گئی تاکہ انسانی فکر ساکن ہو جائے اور انسانی عقلیں منجمد ہو جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مددگاروں کو اسلامی ممالک کے اطراف میں بھیجا تاکہ وہ ایسے قصوں اور خبروں اور ایسے راویوں کی اشاعت کریں جس سے عوام الناس کو اطمینان آ جائے کہ ان کو عوام کے اجتماعی کاموں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور جو کوئی ان معاملات میں دخل دیتا ہے وہ بے کار کے کام میں مشغول ہے اور مسلمانوں کے اعمال میں جو فساد اور ان کے حالات میں جو تبدیلی ہے وہ حکام کے اعمال کی بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخر زمانہ سے متعلق پیشین گوئیاں کی ہیں اس کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا کسی صورت میں اصلاح احوال کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔ بہتر یہ ہے کہ ان حالات کو خدا کے سپرد کر کے اس سے دعائیں کی جائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کے احوال کی فکر کریں۔ احادیث کی بعض ظاہری الفاظ سے ان کو اپنے اس مطلب کے لیے کچھ مدد بھی مل گئی اور اسی طرح ضعیف اور موضوع احادیث میں سے ان کو اپنی مرضی کا بہت سارا مواد بھی مل گیا جن سے ان کو اپنے اوہام و خیالات پھیلانے میں خوب تقویت ملی۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا شریر حاکموں اور ایوان نے تمام اطراف میں ان کی مدد کی۔ ارادوں کو پست کرنے اور ہاتھوں کو کاروبار و محنت سے روکنے میں انہوں نے قضاء و قدر کے عقیدے کی غلط تعبیرات کرنا شروع کر دیں۔ اس قسم کی خرافات کو قبول کرنے میں معاون اس وقت کے لوگوں کی سادہ لوحی اور

دینی امور سے دوری اور جہالت تھی اور خواہشات نفس کی اتباع تھی۔ یہ سب ایسے امور تھے جب ایک جگہ جمع ہو جائیں تو امت کی ترقی کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر حق باطل کی تاریکی میں چھا گیا اور انسانوں میں وہ عقیدے راسخ ہو گئے جو دینی اصولوں کے بالکل خلاف تھے۔ جس سے مسلمانوں کی آسمانوں سے باتیں کرنے والی اُمیدیں غارت ہو گئیں اور وہ مایوس ہو کر جانوروں اور چوپائیوں کے مقام تک جا پہنچے۔ اس وقت جس چیز کا نام اسلام رکھا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی اعمال نماز، روزہ اور حج کی ظاہری صورتوں کو بجا لایا جائے اور بس چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تغیر و تبدل کر لیا گیا ہے اور جس کا نتیجہ وہ بدعتیں اور خرافات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو جمود کی اس نوبت تک پہنچا دیا ہے جس کو میں نے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کو اسلام سمجھ لیا ہے۔ مسلمانوں پر اس وقت اسلام کے نام پر جو عیب لگایا جاتا ہے اس کا اسلام کے حقیقی روپ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کے اپنے خیالات ہیں جس کا نام انہوں نے اسلام رکھ لیا ہے اور ''قرآن'' جس کی شان یہ ہے کہ باطل نہ تو اس کے آگے سے اس میں چھلک سکتا ہے اور نہ وہ اس کے پیچھے کی طرف سے اس میں گھس سکتا ہے۔ وہ حکمتوں والی قابل ستائش ذات کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ یہ کلام اس بات پر شاہد ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں اور اس سے غافل ہیں اور اس کے اصلی احکامات سے اعراض کرنے والے ہیں۔

مذہب مسلمانوں کی ترقی کا زینہ:

ہمارے مذہب کی تو یہ حالت ہے اور ہماری مذہبی تعلیم اس سے مسموم ہو چکی ہے تو پھر جب تک ہمیں مذہبی تعلیم نہ ملے ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا سنگ بنیاد ان کا مذہب ہے۔ بغیر مذہب کے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ حقیقی قومی ترقی کے لیے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے اور اس کی سنگ بنیاد صرف دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں اور تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہمیشہ قوموں کی ترقی میں انہی دونوں سے کام لیا گیا ہے یا تو 'مذہب' ہے یا 'حب وطن' ہے۔ مذہبی جذبہ کے مقابلے میں مسلمانوں میں حب وطن کا جذبہ بہت

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کمزور ہے اس لیے مسلمان صرف مذہب ہی سے متاثر ہو کر حقیقی ترقی کی شاہراہ پر قدم زن ہو سکتے ہیں ہمارے نامور مؤرخ اور شاعر یعنی شبلی مرحوم نے اس مسئلے کی توضیح کی ہے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو … وہی باتیں ہیں جن پر ہے ترقی کا مدار
یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں … کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہم رنگ شرار
ہے یہ وہ قوت پر زور کہ جس کی ٹکر … سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشت غبار
جس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیاد زمیں … اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراق دار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے … کھیلتے جاتے تھے ایوان کاؤسری میں شکار
وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں … جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار
اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم … بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے راہزن … فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار
یا کوئی جذبہ ملک و وطن تھا جس نے … کر دیے دم میں قوائے علمی بیدار
ہے اسی مٹی سے سرمستی احرار وطن … ہے اسی نشہ سے یہ گرمیٔ ہنگامہ کار

تجربہ بھی شاہد ہے کہ ہماری تمام قوم صرف مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر پوری طرح کام کر سکتی ہے۔ جب یہ حالت ہے تو یہ بات بدیہی ہے کہ قومی ترقی کے پروگرام میں سب سے اہم جزو صحیح مذہبی تعلیم ہونی چاہیے۔ اگر صحیح مذہبی تعلیم کا انتظام نہ ہوگا تو نہ مسلمان اپنی ہستی قائم رکھ سکیں گے اور نہ وہ ترقی کر سکیں گے۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ اب تک ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں تو کیا خود اپنے قومی اور پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں میں قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کر لیتے۔

قرآن مجید سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ بغیر مطلب سمجھے ہوئے قرآن مجید کے الفاظ دہرائے جائیں۔ مسلمانوں نے کبھی قرآن کی تعلیم کا یہ مطلب نہیں سمجھا۔ بعض حضرات سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ ہمارے طالب علموں کو یونیورسٹی کا نصاب فرصت نہیں لینے دیتا۔ میں خود اس بات کو جانتا ہوں لیکن بتنا وقت سینکڑوں مشن سکول اور کالج کے مسلمان، عیسائی

اور ہندو طالب علم، بائبل یا اپنی مذہبی کتابوں کو دیتے ہیں کیا اتنا وقت قرآن کی تعلیم کے لیے ہمارے قومی سکولوں اور کالجوں کے طالب علم نہیں دے سکتے؟

مشن سکولوں اور کالجوں کے طالب علم باوجود بائبل کے لیے عموماً روزانہ وقت دینے کے امتحانات میں عمدہ کامیابی حاصل کرتے ہیں اور بائبل کی کلاس کی وجہ سے کوئی شکایت سننے میں نہیں آتی۔ ایک تو وہ ہیں جو غیر مذہب کے طالب علموں کو روزانہ بائبل پڑھاتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ اپنے ہی قومی سکولوں اور کالجوں میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

ایک ہم کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ … ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

علی گڑھ کے تین طالب علم جو میرے دوست ہیں اتفاق سے سنٹرل انڈیا کے ایک مشن کالج میں تعلیم پانے کی غرض سے گئے۔ جب امتحان کا زمانہ قریب ہوا تو روزانہ کے اسباق بند ہو گئے۔ تاکہ طالب علم پوری طرح سے امتحان کی تیاری کر لیں لیکن بائبل کی کلاس روزانہ جاری رہی۔ خود پرنسپل صاحب بائبل پڑھاتے تھے۔ ایک روز یہ تینوں حضرات پرنسپل صاحب کے پاس گئے کہ اب امتحان بہت قریب آ گیا ہے اور دوسرے تمام گھنٹوں میں سبق نہیں ہوتا ہے صرف بائبل کی کلاس کی وجہ سے ہمیں کالج آنا پڑتا ہے۔ برائے مہربانی اس کو بھی ملتوی فرما دیجیے۔ تاکہ پوری طرح امتحان کی تیاری کریں؟ تو پرنسپل نے جواب دیا کہ "یہ تمام (طالب علم) عورتیں اور تم سب طالب علم اور میں اور تمام پروفیسر صرف اسی ایک گھنٹے کی وجہ سے یہاں موجود ہیں اگر یہ گھنٹہ نہ ہو تو کالج بھی نہ ہو۔"

اگر کفار کے اس واقعہ کی ہم تقلید کر سکیں تو پھر ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنے طالبعلموں کو قرآن مجید کی تعلیم تو دی نہیں جاتی اور ستم یہ کہ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ ان کے ذریعے قوم کو ترقی ہو، عروج ہو، یہ ہو اور وہ ہو۔ اگر ان بے چاروں سے کچھ نہیں ہو سکتا تو ان پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ … بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سخت ضرورت ہے کہ کم از کم اپنے قومی سکولوں اور کالجوں میں تو بہت جلدی قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور قرآن مجید کی تعلیم کے انتظام میں سب سے اہم حصہ عمدہ پروفیسروں کا تیار کرنا ہے اور ان کا درست انتخاب ہے۔

چونکہ اسلامی تعلیم اور غیر اسلامی تعلیم میں بہت سارا فرق ہے اس لیے ہم آخر میں ایک اور حصہ کا اضافہ کرتے ہیں جس میں مغرب اور اہل مغرب کی فکری گمراہیوں اور دین سے دوری کی وجوہات کا تذکرہ مختصر انداز میں کرتے ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ:

”اے رب جلیل! ہماری کھوئی ہوئی میراث واپس نصیب فرما اور ہم میں اپنے خاص فضل وکرم سے دنیا کی امارت اور راہبری کی اہلیت بیدار فرمادے۔ جو اصل میں وارثان انبیاء کا ہی کام ہے۔“

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

حصہ سوم

مسائل جدیدیت

(مغرب کے فکری مغالطے)

خلاصہ رسالہ جدیدیت

(مؤلفہ محمد حسن عسکری)

اس رسالے میں مسلم اور یورپ کی سول لائزیشن کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے اور مسلم اور یورپی فکر کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا ہے، اس سے اہل علم جو سیاسیات، معاشریات اور علم تہذیب، علم الٰہیات، علم مابعد الطبیعات، علم عقائد، علم تصوف وغیرہ میں دلچسپی رکھتے ہیں اس رسالہ سے بہت زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔

تلخیص

مفتی رشید احمد العلوی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد اجمل فرماتے ہیں:

"عسکری صاحب کی دوسری کتب کو پڑھنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اس میں چند اشارے دیے گئے ہیں۔ ان اشاروں میں تفصیلات بھرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تفصیلات عسکری صاحب کی دوسری تحریروں اور اپنے گھلوں کی کتابوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسری کتاب ایک کلید کی حیثیت رکھتی ہے اسے بھی ہر اس ادارے میں جہاں فلسفہ مذہب پڑھایا جا سکتا ہو کورس کی حیثیت حاصل ہونا چاہیے لیکن مدرس کو ان افکار کے پس منظر میں پڑھانا چاہیے جن کا اپنے گھلوں اور ان کے ہم عصروں نے مختلف کتابوں میں اظہار کیا ہے۔ ویسے میں تو یہ بھی سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف بھی اس کتاب، کے لیے نہایت روشن پس منظر بن سکتی ہیں۔"

۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء

مجموعہ محمد حسن عسکری ۱۱۷۸

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

امابعد

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بے شمار مذاہب اور اسی طرح متعدد تہذیبیں پیدا فرمائیں، ان تہذیبوں کا کام انسانوں کو اچھے اخلاق اور عمدہ پاکیزہ فکر سے مہذب کرنا تھا لیکن کبھی کبھی انسان اپنی عارضی اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنی من مرضی کے اخلاق اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے عادات اور اپنی ذہنی تسکین کے لیے افکار و آراء تشکیل دیتا رہا ہے جس کی بنیاد ہمیشہ مادیت پر رہی ہے اور موجودہ زمانے میں اس مادی فکر کی ترجمان یورپی فکر ہے۔ ہم نے اس رسالہ میں اسلامی اور یورپی فکر کا باہم فرق واضح کرنے کے لیے جناب مکرم حسن عسکری کی کتاب جدیدیت کا کلام کیا ہے۔ اُمید ہے کہ ہماری یہ تلخیص اصلی مراد تک رسائی میں معاون ہوگی اور ہماری ذہنی خلفشار اور انتشار میں اطمینان و تسکین کا باعث ہوگی۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں رنگارنگ کی گمراہیاں، طرح طرح کی بدعات، شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہے ہیں، اور ہمارے علماء کی نظر میں ان سب شبہات کے جوابات پہلے سے موجود تھے کیونکہ اسلامی تاریخ کے کسی نہ کسی دور کے علماء کو اس قسم کے مسائل سے واسطہ پڑ چکا تھا، لیکن مسئلہ یوں ہے کہ ان کے وہ جوابات، جواب کی حیثیت سے تو قابل تسلیم لیکن قابل ایقان اس وجہ سے نہیں ہوتا تھا کہ زمانے کے انداز بدل جانے اور علماء کی زبان قدیم ہونے سے جدید زمانے کے افراد کو انکا جواب متاثر نہیں کر سکتا تھا لیکن نئے زمانے میں پیدا ہونے والی نئی گمراہیاں اپنی چند ایک بنیادی خصوصیات رکھتی تھیں جن کو پیش نظر رکھے بغیر ان کا جواب مسلم اور موثر نہیں ہو سکتا تھا۔

اور وہ بنیادی اور اہم ترین خصوصیات مندرجہ ذیل میں پیش کرتے ہیں

۱- پہلے زمانے کی گمراہیاں محدود تھیں موجودہ زمانے کی گمراہیاں وسیع، عالمگیر، اور ہر مذہب کو سامنے رکھے ہوئے تھیں۔

۲- پہلے زمانے میں پیدا ہونے والی ہر گمراہی مسلمانوں کے اندر سے پیدا ہوتی تھی اسی لئے اس کا ازالہ بھی مسلمانوں مسلمات کے ساتھ کیا جا سکتا تھا لیکن موجودہ زمانے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں ایسا نہیں ہے

۳- اہل یورپ کا ذہن پچھلے چھ سو سال سے بتدریج مسخ کیا جا رہا ہے اور ان میں سے حق وصداقت کو تسلیم کرنے کی صلاحیت مفقود ہو رہی ہے اس لئے اہل یورپ نے اپنی مسخ شدہ ذہنیت کے ساتھ جو اعتراضات کا انبار ایک دم علمائے امت کے سر پر ڈال دیا ہے اس کا سد باب تو کجا ہمارا اپنا مسلمان طبقہ اس سم مسموم سے دن بدن مسخ ہوتا جا رہا ہے۔

۴- قدیم زمانے کی گمراہی اسلامی اصطلاحات اور اسلامی تصورات کو غلط رنگ دیتی تھی جبکہ نئی گمراہی ایک نئی زبان اور نئی اصطلاحات لیکر ہم پر حملہ آور ہوئی ہے۔ جس کا سد باب صحیح معنوں میں ہمارے سے ممکن نہیں ہے جب تک ان اصطلاحات اور اس زبان سے مکمل آگہی نہ حاصل کر لی جائے۔

اور ان نئی اصطلاحات کی چند اقسام ہیں:

(۱): بعض خالص عیسوی مذہبی اصطلاحات ہیں، (۲): بعض مختلف ادیان ومذاہب کی مشترک اصطلاحات ہیں، لیکن جدید یورپی فکر نے اس کو بالکل نئے معانی دئے ہوئے ہیں، (۳): اور بہت ساری اصطلاحات ایسی ہیں جو مسخ شدہ یورپی فکر کی پیداوار ہیں اور وہ ان اصطلاحات کو ہر بیس یا بائیس سال کے بعد بدل دیتے تھے، (۴): اور ان میں سے بہت سے لفظ ہیں جن کو یورپ کے ہر نئے مفکر نے ایک نئے معانی کے لئے استعمال کیا ہے جیسے: لفظ فطرت، لفظ مذہب، لفظ خدا اور لفظ روح وغیرہ، (۵): اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ یورپی مفکرین اپنے فرسودہ سے فرسودہ افکار کو اس قدر ملمع کاری سے پیش کرنے اور اس کے لئے نئی سے نئی اصطلاحات سازی کے شوقین ہوتے ہیں کہ ان کی پوری تصنیف میں علمیت ہو یا نہ ہو ذہنی الجھاؤ ضرور ہوتا ہے، اس کے لئے ڈاروِن کی کتاب (۱)، اور کارل مارکس کی کتاب (۲) سرمایہ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۱- The Origin of Species

۲- Das Kapital

یورپ کے ذہنی انحطاط کا تاریخی خاکہ

تمام مذاہب کی بنیاد ان کی زبانی روایت پر مبنی ہیں، اور کسی بھی مذہب کی کبھی بھی لکھی ہوئی تحریریں ان کی بنیاد نہیں بنیں، جبکہ یورپی فکر اس بات کو تسلیم کرنے سے عاری ہے بلکہ وہ اس کے بارے میں صرف تحریر کو ہی قابل استناد اور قابل استدلال سمجھتی ہے

اہل یورپ اپنے فکری سفر کا آغاز یونانی تہذیب سے شروع کرتے ہیں اس لحاظ سے ان کی فکری تاریخ کا خاکہ یوں ہے

(۱) یونانی دور (افلاطون وارسطو سے ماقبل کا زمانہ)

(۲) رومی دور (عقلی معیار میں افلاطون ارسطو کا زمانہ)

(۳) عیسوی دور (پانچویں صدی سے پندرھویں صدی کے درمیان کا زمانہ)

(۴) نشاۃ ثانیہ (ترکوں کی فتح قسطنطنیہ سے سترھویں صدی کے آغاز تک کا زمانہ، اسی زمانے میں عیسائیت کی باغیانہ تحریک پراٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا)

(۵) عقلیت کا دور (سترھویں صدی سے اٹھارھویں صدی کے اختتام تک کا زمانہ اس میں زیادہ تر سائنسی ایجادات اور سائنسی مذاہب وجود میں آئے)

(۶) فکری انتشار کا دور (یہ پوری انیسویں صدی ہے جس میں بے شمار عقلی مذاہب، اور خیالی افکار، اور لایعنی نظریات نے جنم لیا تھا، اور اہل یورپ اس زمانے کو ماڈرن ازم کا دور بھی کہتے ہیں)

(۷) تلاش حقیقت کا دور (اس دور میں مختلف عقلی مذاہب میں یکجہت، عقلی نظریات میں موافقت، تشکیک کے خاتمے کی کوشش کا زمانہ ہے اس کو پوسٹ ماڈرن ازم کا زمانہ بھی کہتے ہیں)

(۸) حق کی دریافت (اس کے بارے میں اہل یورپ اسی طرح نظریات پیش کرتے ہیں، جیسے تمام اہل مذاہب امام مہدی یا کسی اوتار، کی آمد ثانی کا نظریہ رکھتے ہیں)

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اس موجودہ زمانے میں جتنا انتشار اور جنگ وجدل ہم دیکھتے ہیں اس کی بنیادی وجہ ان اقوام کی بعض مقدس ہستیوں نے اپنی قوم کو ایسے افکار دیئے ہیں جن کو یا تو وہ پورا کرنا چاہتے تھے یا ان کو پورا نہیں ہونے دینا چاہتے جیسے اہل یورپ میں نیس ٹرو ڈیمس اور مسلمانوں میں حضرت نعمت شاہ ولی وغیرہ قسم کی شخصیات کی پیش گوئیاں ہیں۔

☆

یونانی اور رومی ادوار میں پیدا شدہ عقلی گمراہیاں

اہل یونان کا قدیم دین جو بھی تھا اس کی نہ تو تحقیق ممکن ہے اور نہ اس کے بارے میں بحث کی جا سکتی ہے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ اہل یونان نے اپنے دین میں اس قدر تبدیلی کر لی تھی کہ اسکا اصل چہرہ مسخ ہو چکا تھا، اور ان کے اصل دین کی بعض باتیں اسرار ورموز کی صورت میں باقی بچ گئی تھیں اور انکا سب سے بڑا دانشور فیثا غورث کو جانا جاتا تھا، اور یونان کی فکری تاریخ کا یہی زمانہ ہے جب اہل یونان کے دو گروہ بن چکے تھے ایک فلسفی تھے اور دوسرے مذہبی، اہل یونان نے مذہب کے مقابلے میں عقلی معیار پر فکر ترتیب دی تھی اس کو 'محبت دانش' یا فلسفہ کا نام دیا جاتا تھا، اور ان میں سے مذہبی فکر تو آہستہ آہستہ تبدیل ہو کر ویسے ہی ختم ہو گئی اور اس کی بعض رسومات باقی بچ گئی تھیں جن کو اہل یونان و روما نے بت پرستی، سیارہ پرستی، مظاہر پرستی، یا رسوم ورواجات کا روپ دے دیا تھا، یونانی فکر کے عروج کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی تھا، اور اس زمانے میں افلاطون وسقراط گزرے تھے، اگرچہ اہل مذہب کے ہاں افلاطون وسقراط کی شخصیت متنازعہ ہے کیونکہ ایک طبقہ ان کے اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہونے کا قائل تھا، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اپنے ہاتھوں تحریریں لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیں یا ان کے کلام میں تحریف کر ڈالی تھی، اور اہل علم کا دوسرا طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ حضرات صحیح معنوں میں توحید کے قائل نہ تھے اور نہ ہی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندے تھے۔

افلاطون ارسطو کی فکر کے بارے میں اہل یورپ کے اہل اسلام پر چند اعتراضات کرتے ہیں جن کی وجہ سے یورپ کی تاریخی فکر میں یونان کے بعد سیدھا چودھویں صدی کا تذکرہ آجاتا ہے اور درمیان میں اہل اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ افلاطون وارسطو کے نظریات میں تضاد تھا جبکہ اہل اسلام انکو ایک دوسرے کے ترجمان کے طور پر متعارف کرواتے رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہل اسلام ان دونوں کے افکار کو نہیں جانتے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اہل اسلام کو افلاطون وارسطو کے افکار کا سرے سے کوئی علم نہ تھا کیونکہ وہ فلاطی نوس اور فرفوریوس نامی متفکرین کے افکار کو افلاطون وارسطو کے افکار بنا کر پیش کرتے رہے تھے، جبکہ یہ دونوں اسکندریہ میں یونانی فکر کے ترجمان اور عیسوی دور میں گزرے تھے؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عام مسلمان فلسفی افلاطون کے افکار کو ارسطو کے نام سے پیش کرتے رہے ہیں؟

ان اعتراضات کی حقیقت یہ ہے

☆ اہل یورپ کے یہ اعتراضات افلاطون وارسطو کی فکر سے نا آشنائی کی بنا پر ہیں کیونکہ افلاطون کا انداز فکر تجزیہی اور ارسطو کا انداز فکر تشبیہی نوعیت کا تھا، اور علمائے اسلام اس فرق کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اور اہل یورپ چونکہ خود الہیاتی فکر سے عاری تھے اس لئے وہ اس فرق کی حقیقت تک رسائی نہیں حاصل کر سکے اس بنا پر انہوں نے علمائے اسلام پر بے جا اعتراضات کرنا شروع کر دیے

☆ دوم یہ کہ اہل اسلام کو جو یونانی فکر ملی ہے وہ اگرچہ نو افلاطونی تھی یعنی فرفوریوس اور فلاطینوس کی وساطت سے ملی تھی اور یہ نو افلاطونی متفکرین مذہب اور عقیدہ توحید کو اپنے پیش روں کی نسبت زیادہ بہتر جانتے تھے اور ان کو جو افکار ملے تھے وہ تحریف اور لوگوں کی دست وبرد سے محفوظ تھے اس لئے ان کی فکر میں مذہبی عنصر غالب تھا جبکہ اہل یورپ اس کو نو افلاطونی اور غیر افلاطونی فکر سمجھتے رہے تھے۔

☆ سوم یہ کہ اہل یورپ یا موجودہ زمانے کے وارثان افلاطون وارسطو بذات خود تجزیہ وتشبیہ کے مفہوم سمجھنے سے عاری ہیں وہ کسی اور کے بارے میں کیا رائے دے سکتے ہیں۔

اہل یورپ کی فکر یونان کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یونانی اور رومی فکر میں جو گمراہی پیدا ہوئی

اس کو مختصر انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور یہی بات اہل یورپ کی گمراہی کا سامان بنی ہے

اہل یونان: لاتعین، احدیت، اور وراء الوراء کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکے اور وجود کے مفہوم میں بھی وہ لوگ آپس میں مختلف تھے آسان الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ یونان کی مابعد الطبعیاتی فکر سے مکمل عاری تھے یہ مسئلہ آج تک ان کے تقلید کرنے والوں کے لئے ناسور بنا ہوا ہے

اہل یونان: عقل اور علت کے مابین فرق کو جانتے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں یہ سب کچھ الجھ گیا اور بعد میں یہی مسئلہ اہل یورپ کے فکری الحاد کا باعث بنا جس میں آج تک وہ لوگ مبتلا ہیں۔

اہل یونان: نے فکر اور تخیل کے فرق کو ختم کر دیا تھا جو بعد میں اہل یورپ کی گمراہی کا باعث بنا اور آج بھی اہل یورپ اسی فکری بیماری میں مبتلا ہیں۔

اہل یونان: کا روز اول سے فکری تضاد ہے کہ وہ بات تو عقل کی کرتے ہیں لیکن اس کے ثبوت کے لئے استدلال تجربے کی دنیا سے لاتے ہیں۔

اہل یونان: کے نزدیک ہر فکری تحریک کی بنیادی فکر انسانی معاشرہ یا دنیا کی اصلیت واحدیت تھا، مبداء ومعاد ان کی زندگیوں سے نکل چکا تھا، اور اہل یونان ہر مسئلے میں انسانی افادیت وانسانوں کی نفع پذیری کو سامنے رکھتے تھے اور اسی سے اہل یورپ میں انسانیت پرستی یا ہیومن ازم کی تحریک پیدا ہوئی جو آج پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔

اہل یونان کا دل چسپ کا موضوع مسئلہ تقدیر، یا مسئلہ جبر وقدر رہا لیکن اس مسئلے کی حقیقت یا ذات باری تعالیٰ کے بارے میں وہ لوگ ہر قسم کی فکر سے عاری تھے۔

اہل یونان: روح، نفس، میں فرق نہیں کر سکے اور آج کا یورپ بھی روح اور نفس کو ایک ہی چیز سمجھتا ہے جو ان کی گمراہی کی ایک بڑی باریک اور بنیادی وجہ ہے، موجودہ زمانے میں اہل مغرب ان کے درمیان حقیقی مفہوم سے بالکل بے خبر ہو چکے ہیں اور ان کے نزدیک نفس، ذہن، عقل کو روح کے ہم معنی سمجھا جانے لگا ہے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہل روم نے چونکہ سارا زور اس بات پر دیا کہ افکار کی بجائے انسان کی فلاح اصل چیز ہے اور اسی فکر نے عیسائیت کو بھی انسانی خدمت کے جذبے میں مبتلاء کر کے ایک فلاحی بہبود کا دین بنا کر خدا سے بے گانہ کر دیا ہے۔

اہل روم نے فکر و فلسفے میں کوئی اضافہ نہیں کیا البتہ یونانی فکر کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

اہل یونان نے دین و مذہب یا خدا کا جو بھی الٹا سیدھا تصور قائم کر رکھا تھا اہل روم اس کی جگہ قوم، وطن، معاشرہ، خاندان، قوم پرستی، کو لے آئے تھے، اہل روم نے عقل و خرد کی بجائے، تن آسانی، عیش پرستی، کو اصل زندگی قرار دے دیا تھا۔

اہل روم نے انسانیت کو ایسی الٹی منطق میں مبتلا کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

[۱] یہ دنیا اپنی خواہشات کی تکمیل کا اصل نام ہے

[۲] خواہشات کی تکمیل انسان کے لئے باعث ننگ و عار ہیں۔

[۳] کسی خواہش کی تکمیل نہ ہونا یا خوشی میں خوش اور غمی میں مغموم نہ ہونا اصلی سکون کا ذریعہ ہے۔

یہ ایسی تکون (ٹرائی اینگل) ہے جو رومی فکر کا سب سے بڑا تضاد ہے

☆

عیسوی دور کی پیدا شدہ عقلی گمراہیاں

یہ دور پانچویں صدی سے پندرھویں صدی تک پھیلا ہوا ہے، اس دور کے جو احوال ہم تک پہنچے ہیں وہ یک طرفہ ہیں کیونکہ اس دور کے احوال جو مذہب مخالف لوگوں نے پھیلائے تھے وہی ہم تک پہنچے ہیں، اور انہی کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے اہل فکر و دانش اس دور پر خوب خوب تنقید کرتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو تنقید ہم اس دور کی عیسائیت پر کرتے ہیں وہی تنقید آج کا نوجوان یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمارے موجودہ زمانے کے علماء پر کرتا ہے۔

۱- اس دور کے پیش کئے جانے والے حالات کا خلاصہ یوں ہے:

پاپائیت بہت بری چیز ہے، علماء کے پاس رہبانیت کے سوا، کچھ نہیں اور وہ انسانوں کے مسائل کا کوئی حل نہیں پیش کرتے ہیں، عیسائیت کے اس عروج سے زمانے میں اہل علم کے ساتھ بہت زیادہ ظلم و ستم روا رکھا جاتا تھا، کسی عام آدمی کو علم تک رسائی کی اجازت نہیں تھی، ہر قسم کے دینی معاملات میں سارا اختیار پوپ کے پاس تھا جو دین کے معاملے میں من مرضی کرتا تھا اور سارے لوگ صرف اور صرف اس کی تقلید محض کے پابند تھے، عوام کو فکر کی آزادی نہ تھی، کلیسیا کے سارے لوگ سائنس کے بہت مخالف تھے، جو شخص کوئی نئی فکر یا نیا خیال پیش کرتا تھا اسی وقت اس کو عبرت ناک سزا دے دی جاتی تھی، اور لوگوں میں اجتہاد کی بجائے تقلید محض کا دور دورہ تھا۔

یہ اس زمانے کی عیسائیت کے بارے میں محض خیالی، اور مذہب مخالف طبقات کی طرف سے پیش کیا گیا تصور تھا جبکہ اس دور کی حقیقی تصویر یوں تھی۔

۲- عیسائیت دور کی حقیقی تصویر

اس زمانے میں لوگوں کو اپنی کاریگری اور اس کے بنیادی ذرائع کو حاصل کرنے کی پوری آزادی تھی، ہر علاقے میں پیشہ وارانہ لوگوں کی پنچائتیں بنی ہوئی تھیں، لوگوں کے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مسائل حل کرنے کے لئے وہاں پنچایتی نظام تھے جو آسان اور سستے انصاف کے بہترین امین ہوا کرتے تھے، حاکم اور امراء عوام پر جب بھی ظلم کرتے تھے پوپ پادری اس کے تدارک کے لئے اس کی بھرپور مخالفت کرتے تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کے علوم افکار کا اہل یورپ پر اس قدر گہرا اثر تھا کہ مسلمانوں کے افکار و نظریات اور ان کے روحانی نظام کے اثرات کو عیسائیت میں آسانی سے محسوس کیا جاسکتا تھا، عیسائیت نے دین کے دو پہلو ظاہر اور باطن کے نام سے پیش کئے عیسائیت اس کی بھرپور انداز میں مبلغ تھی، امام ابن رشدؒ کے افکار تمام اہل یورپ کے تعلیمی نظام میں بہت عیاں تھے، اور سینٹ تھامس اکویناس نے اپنے فکری اور تعلیمی نظام کا قبلہ ابن رشدؒ سے ہٹا کر دوبارہ ارسطو کی طرف کیا جیسا کہ وہ پہلے تھا، جس طرح عقلی افکار سے اہل یورپ مسلمانوں سے مکمل متاثر ہوئے اسی طرح روحانیت میں بھی امام ابن عربیؒ کا نام اہل یورپ کے لئے کوئی نیا نہیں تھا بلکہ عیسائیت کے ہر روحانی ادارے میں امام ابن عربیؒ کو بڑا خاص مقام حاصل تھا، ارسطو کے افکار کی طرف رجوع کی وجہ سے امام ابن عربیؒ کے خلاف تصورات پیدا ہونا شروع ہوگئے تو ان کا نام لینے اور ان کے خیالات سے بغاوت ہونے لگی، طریقت کو اہل سیاست نے اس طرح بدنام کیا کہ امام ابن عربیؒ کا نام لینے پر بھی سزائیں دی جانے لگیں، نتیجہ یہ ہوا کہ امام ابن عربیؒ کی تعلیمات ان کی زندگی سے نکلیں تو ان کی زندگیوں میں روحانیت کی کوئی مضبوط بنیاد باقی نہ بچ سکی، اور پھر صرف ظاہری ظاہر باقی بچ گیا تھا اور باطنی پہلو بالکل محو ہو چکا تھا۔

اس دور میں جدیدیت کے غالب آنے اور عیسائیت کے اثرات ختم ہونے کی بنیادی وجوہات یوں ہیں

۱- عیسائیت جب یورپ میں داخل ہوئی تو اس کی تنظیم سازی اہل روم کے انداز میں کی گئی تھی اور جہاں بھی کوئی نظام ترویج پائے اس میں اخلاقی خرابیاں لازمی ہوتی ہیں انہی اخلاقی خرابیوں کے ازالے کے لئے پروٹسٹنٹ فرقہ معرض وجود میں آیا یہ اس دور کا سلفی مکتبہ فکر سمجھنا چاہیے۔

۲- پوپ اور بادشاہت کے درمیان مذہبی جھگڑے پیدا ہوئے تو پوپ کی مخالفت کی بنا پر لوگ دوسرے فرقے پروٹسٹنٹ میں شمولیت اختیار کر گئے، یہ عیسائیت کی نئے فرقے میں شمولیت سیاسی وجوہات کی وجہ سے تھی، علمی اور روحانی وجوہات کی بنا پر بالکل نہیں تھی۔

۳- اہل کلیسیا نے امام ابن عربیؒ کی مخالفت کی وجہ سے علوم باطنی کی مخالفت کی اور لوگ روحانیت سے باغی ہوگئے اس کے بعد عیسائیت صرف ظاہری ظاہر باقی رہ گئی باطن کی راہنمائی کا کوئی نظام ان کے پاس نہ تھا۔

۴- کلیسیا کے دینی مفکر فلسفے اور عقل کو دین کے تابع رکھنا چاہتے تھے لیکن ان کی عقلیت پر ارسطو کی لادینی عقل کا رنگ غالب آچکا تھا

۵- اس کلیسیائی دور میں تجزیہ اور تشبیہ سے بات آگے نہیں گئی، اور یوں لوگ ظاہر پرستی یا فطرت پرستی میں الجھ کر رہ گئے

۶- سینٹ تھامس اکویناس نے امام ابن رشدؒ یا امام ابن عربیؒ کو عیسائی دنیا کے علمی حلقوں میں سے نکال کر اس کی جگہ دوبارہ ارسطو کو دی کیونکہ عیسائیت کی روز اول میں اشاعت اسی عیسائی فکر اور ارسطو کے انداز فکر میں اتحاد کی وجہ سے ہوئی تھی، اور جب نئے زمانے میں عقل کی بنا پر ارسطو کے افکار کی مخالفت ہوئی تو اس زمانے کے عیسائی لوگوں نے سمجھا کہ یہ دین عیسوی کی مخالفت کی جا رہی ہے، جس سے بہت زیادہ اشتعال اور جدید فکر کے خلاف جذبات پروان چڑھنے لگے، اور اس طرح عیسائیت کے جدید اہل علم پر ظلم وستم کے وہ سارے قصے جو بیان کئے جاتے ہیں معرض وجود میں آئے۔

۷- لفظ ہیولی یا صورت جسمیہ افلاطونی فکر میں عین حقیقی کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے، اور عین ظاہری کو اس عین حقیقی کا پرتو یا سایہ بیان کرتے تھے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو صورت کے متبادل سمجھا جانے لگا، اور یوں ظاہری صورت اس حقیقت کا روپ اختیار کر گئی اور اصل مفہوم سرے سے غائب ہو گیا اور اہل یورپ ظاہر پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں پیدا شدہ عقلی گمراہیاں

اس زمانے کا آغاز ترکوں کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے سے ہوتا ہے، اس فتح کے دوران یہ ہوا کہ یونانی علماء اپنی تحقیقات اور تصانیف لیکر قسطنطنیہ سے بھاگے اور پورے یورپ میں پھیل گئے، اور انہوں نے جہاں جا کر ڈیرہ لگایا وہیں درس و تدریس کا آغاز کر دیا جس سے اہل یورپ میں ایک علمی بیداری پیدا ہوئی، اہل یورپ میں ان عقلی علوم کی پذیرائی اس لئے ہوئی کہ ان کو کلیسا کوئی فکری راستہ دینے میں ناکام رہے تھے، اور اس ذہنی خلا کو پر کرنے کے لئے جب یونانی فکر وہاں پہنچی تو اس کو اہل یورپ نے دل و جان سے قبول کیا اور اس کی تعلیم میں محو ہو گئے۔

اہل یورپ کا اس نئی فکر کو بہت جلد قبول کرنے کی دو وجوہات تھیں:

پہلی وجہ یہ کہ کلیسا وحی و الہام کے ذریعے حاصل شدہ علوم کی محافظ نہیں تھی بلکہ ان کی محرف تھی اور ان کے ہاں کوئی مضبوط علمی رسوخ نہیں پایا جاتا تھا اس لئے اہل یورپ دل و جان کے ساتھ یونانی عقلی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسری اور اہم وجہ جس سے یونانی علوم کی پذیرائی حاصل ہوئی ان علوم کا انسانی فکر کی پیداوار ہونا تھا یعنی ان علوم میں ہر طرح سے انسان کو مرکزیت حاصل تھی ان علوم کے موجد بھی انسان تھے اور ان علوم کا فائدہ بھی انسان کو تھا، جبکہ دوسری طرف کلیسا کے تمام علوم انسان کو حقیر سے حقیر منوانے، اور گناہوں کا اصل منبع قرار دلوانے میں محو تھے۔

اس دور میں پیدا ہونے والے بنیادی مسائل یوں ہیں:

۱- دینی علوم کی بجائے یونانی علوم کو ہر میدان میں ترجیح دی جانے لگی۔

۲- خدا پرستی کی بجائے انسان پرستی کی تعلیم عام کی جانے لگی، اور ہر کام میں انسان کو اہمیت دی جانے لگی۔

۳- خدا، یا اللہ یا پر ایمان لانا انسانوں کا نجی مسئلہ قرار دیا جانے لگا۔

۴- اسی طرح آخرت کے عقیدے کو بھی لوگوں کا نجی مسئلہ قرار دیا جانے لگا، اور دنیا چونکہ اپنی تمام تر خصوصیات سمیت موجود ہے اس لئے اس کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگی، اور یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ جس کی دنیا کی زندگی اچھی ہو اس کی آخرت بھی اچھی ہو گی لہذا دنیا کی فکر نے دین کی فکر پر بھی قبضہ کر لیا۔

۵- آسمانی کتاب انجیل کے مطالعے کے ساتھ ایک دوسری کتاب فطرت کے مطالعے کا نظریہ عام ہو گیا، اس طرح انجیل کے علماء کے ساتھ ساتھ، فطرت کا مطالعہ کرنے والے علماء کو بھی مقدس سمجھا جانے لگا، اور فطرت کے مطالعہ کا نظریہ مذہبی روپ اختیار کر گیا، اور اس کے اصول و ضوابط وضع کئے جانے لگے جو بعد میں ترقی کرتے ہوئے مطالعہ سائنس کے اصول بن گئے۔

۶- قدرت اور فطرت ایک ہی معنوں میں استعمال کئے جانے لگے جب کہ دونوں کی اصل ایک دوسرے سے جدا تھی

۷- تسخیر فطرت کا نظریہ عام ہو گیا اس کے ساتھ ہی مظاہر فطرت کو اپنے قبضے میں لانے اور ان پر کنٹرول کرنے کا نظریہ عام ہو گیا، اور ان لوگوں میں یہ بات عام ہو گئی کہ یہ قبضہ جس بھی طاقت کے ذریعے حاصل کیا جائے اس کی پوری کوشش کرنی از حد ضروری اور ایمان کا حصہ ہے

۸- اس دور میں طاقت کا تصور بدل گیا، اور اسی کو اصل سمجھا جانے لگا، اخلاقیات کے اصول بے حقیقت بن کر رہ گئے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول رائج ہو گیا، اور میکاولی پہلا مفکر تھا جس نے اخلاقیات کی بنیاد طاقت کو قرار دیا، اسی زمانے میں بادشاہ، قوم وطن، قومیت، سرمایہ، طاقت، وغیرہ قسم کے الفاظ کے نئے مفہوم و مطالب متعین کئے جانے لگے۔

۹- طاقت کے حصول کے لئے ایجادات کا دروازہ کھل گیا، اور گندھک جسے بطور دوائی اور لوہے جیسی دھات انسانی تباہی کے لئے استعمال کئے جانے کے تجربات شروع کر

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیے گئے ۔ اسی زمانے میں فکر و عمل میں سے عمل کو ترجیح دی جانے لگی ، اور فکر کو بے اہمیت بنا دیا گیا ، اس طرح اہل یورپ کے دینی علوم اور مذہبی تعلیمات کی اہمیت ختم ہوگئی اور تحقیق ، اور صداقت کے نام پر حقیقت اور صداقت کا منہ چڑھایا جانے لگا ، اور حقیقت اور صداقت کو تبدیل ہونے والی چیز قرار دیا گیا ، اور انسانی فکر میں تشکیک کی بنیاد پڑ گئی ، اور لذات جسمانی اور ذہنی تفریح کے علاوہ ہر چیز کو تشکیک کے انداز میں پیش کر دیا گیا ، اس ملکہ تشکیک کی تسکین کے لئے اس دور کے لوگ عقل کلی کو چھوڑ کر عقل جزوی یعنی علت کی تلاش میں محو ہو گئے ، اس طرح ہر بات میں حسی تجربات اور ظاہری وجوہات کو معلوم کرنے کی اہمیت عام ہوگئی۔

۱۰- انسانوں میں انفرادیت ، مذہب ، اخلاقیات ، معاشرتی زندگی کو ہر جگہ اہمیت کی نظر سے دیکھا جانے لگا اسی نے آگے جا کر اصلاح دین کا روپ اختیار کر لیا ، جب اہل یورپ نے دین کے معاملے میں انفرادیت کا نظریہ پیش کیا ، تو وہ لوگ جو دین یا مذاہب کی علمبردار یا معاشرتی اجتماعیت کی بات کرتے تھے ان کی اصلاح احوال یا اصلاح دین پر پوری توجہ دی جانے لگی ، اہل یورپ کی گمراہی کی اہم بنیاد یہ ہے کہ عیسائیت کا جو دین اجتماعیت قائم کرنے کے لئے لایا گیا تھا اس کو انفرادیت کے جیل خانے میں قید کر دیا گیا ، اور مذہب کے نام پر اجتماعیت کی بات کرنے والوں کے اصلاح احوال کی فکر کی جانے لگی ، اور یہیں سے اسلاف کی اطاعت ، اور دین کی سابقہ زمانوں میں کی گئی تشریحات ، بے کار اور ناقابل استناد و استدلال قرار پا گئیں ، اس طرح دین ، سیاست اور اہل سیاست کے تابع ہو گیا ، اور افراد کی دین میں آزادی اور خود مختاری کا اصول قائم ہو گیا۔

عقلیت کے دور میں پیدا شدہ فکری گمراہیاں

یہ دور سترھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔

اس دور میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ انسان کی محنت کا میدان مادی کائنات ہے ، اور اس کائنات کو مسخر کرنے والی انسانی صلاحیت اس کی عقل معاش ، یا علت و معلول کی مادی تعبیر ہے ، کائنات کی حد بندی صرف اس نظر آنے والی مادی دنیا کو قرار دیا گیا ، اور کائنات کے وہ وسیع معانی جو اس سے قبل بیان کئے جاتے تھے وہ محدود ہو گئے ، اسی طرح عام ، کل جیسی تمام اصطلاحات بھی انفرادی معنوں میں بیان کی جانے لگیں ، انسانی افکار کی حدود اس کی عقل کی حد تک رہ گئیں ، اس طرح کی فکر تشکیل دینے میں ڈیکارٹ ، اور نیوٹن نے خاص طور پر راہنمائی کی ، ڈیکارٹ تو خود پادری تھا اور مذہب کو عقل کے معیار پر پیش کرنے کا داعی تھا ، لیکن در پردہ مذہب سے بغاوت کا جو بیج اس نے بویا ایسے کوئی اور شخص نہیں کر سکتا تھا۔

ڈیکارٹ نے سب سے پہلے روح اور مادے کے حقیقی اور دائمی ہونے کا اعتراف کیا ، اور انسانی روح اور جسم دونوں کو الگ الگ طور پر بانٹ دیا ، اور ان کا اس طرح کرنا ایسی بھیانک صورت اختیار کر گیا ہے کہ آج تک اہل یورپ کی نظر میں مادہ اور روح کا تعلق ناقابل حل مسئلہ بنا ہوا ہے ، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل یورپ نفس یا ذہن کو روح سمجھنے لگے اور انسانی جسم کی موجودہ ساخت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قوت کا نام روح تجویز کرنے لگے ، اور انسان اپنے انسانی منصب سے اس طرح نیچے گرا کہ انسانیت کا مقام اور موجودگی کا پتہ لگانے کا کلیہ صرف یہ طے پایا کہ "میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں"

اس الجھن سے نکالنے کے لئے جرمنی کے ایک شخص پاسکل نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا اور یہ دعویٰ کر دیا کہ انسانی دل کے پاس اپنی ایسی طاقت ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے ، اس طرح دل ، عقل اور ذہن کے درمیان ایک نئی جنگ چھڑ گئی جو یورپی فکر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرب کے نام سے جانی جاتی ہے، اور یہی کرب کی کیفیت اہل یورپ کی فکری معراج کا دوسرا نام سمجھا جانے لگا۔

ڈے کارٹے نے انسان کو سوچنے کا منبع سمجھا تھا، نئے دور میں اسی انسان کو کرب کا منبع سمجھا جانے لگا، اور کرب اور مذہب ایک دوسرے کے مترادف سمجھے جانے لگے۔

دوسری طرف نیوٹن نے کشش ثقل، یا قوانین حرکت دریافت کر کے انسانیت کے لئے ایک نئی الجھن کھڑی کر دی، اور یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ کائنات چند قوانین کے سر پر چل رہی ہے، اگر ان قوانین کو سمجھ لیا جائے اور ان پر قابو پا لیا جائے تو پوری کائنات کو مسخر کیا جا سکتا ہے، اس کے ساتھ ہی انسانوں کو یہ باور کروانا کہ انسان ضرور ایک دن فطرت پر قابو پا لے گا، نیوٹن نے کائنات اور فطرت کو ایک بے جان فضا دس میں تیرتے ہوئے غبارے کی مانند قرار دیا جو علت و معلول کی جکڑ بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، یہی اہل یورپ کا میکانکی فلسفہ تھا، اس کے مدمقابل ایک دوسری فکر پیدا ہوئی اس کے مطابق فطرت اور کائنات کو ایک جاندار اور نمو پذیر جسم کے طور پر متعارف کروایا گیا جس کو اہل یورپ نامیاتی فلسفہ کہنے لگے اور یوں ان میں اس نئی فکر کے لحاظ سے دو گروہ ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے جن کی بنیاد میکانکی یا نامیاتی تصورات پر قائم تھی۔

اس عقلیت پرستی کے بعد نفسیات کا دور شروع ہوا، پہلے زمانوں میں علم نفس فلسفے کا ایک شعبہ تھا لیکن جان لاک نے اس علم کو فلسفے سے الگ متعارف کروایا، نیوٹن کی طرح جان لاک نے انسانی ذہن کو ایک مشین کے طور پر متعارف کروایا، ان دونوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسانی ذہن یا حیات یا عقل و دانش بذات خود کوئی چیز نہیں البتہ کائنات کے بیرونی عوامل کے اثر انداز ہونے سے انسانی ذہن میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو سفر کرتے ہوئے انسانی دماغ کے درمیان میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں ایک تصویر بن جاتا ہے اور یہ تصویر خیال بنتی ہے یوں ذہن بنتا اور اپنا کام کرتا ہے۔

اس کے جواب میں بار کلے خارجی اشیاء کے وجود کا سرے سے انکار کرنے لگا، اور اس

نے یہ نظریہ پیش کیا کہ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ ہمارے ذہن اور تخیل کی پیداوار ہوتی ہے، ورنہ ذہن سے خارج کسی چیز کا وجود نہیں ہے، اور اس نے اسی تصور کو خدا پر بھی لاگو کیا کہ یہ ساری کائنات خدا کے ذہن کی پیداوار ہے ورنہ حقیقت میں اسکا کوئی وجود نہیں ہے اس نظریے کو مثالیت پسندی یا آئیڈیل ازم کا نام دیا گیا۔

اس کے بعد یورپی فکر میں ڈیوڈ ہیوم آیا اس نے یہ نظریہ پیش کر دیا کہ جو چیز بھی حسی تجربے میں نہ لائی جا سکے اس کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے، اسطرح روحانیت کو فکر سے بھی خارج کر دیا، یہی فکر پہلے ثبوتیت، اور بعد میں منطقی اثباتیت کے روپ میں سامنے آئی۔

اس کے بعد اٹھارہویں صدی میں ایک نیا مذہب معرض وجود میں آیا جو اصل میں دہریت کا ایک روپ تھا اور ان کا کہنا تھا کہ عقل جزوی یا علت و معلول ایک ایسی مشترکہ طاقت ہے جو تمام انسانوں میں موجود ہے، اسی پر اپنے تمام تصورات اور تفکرات کی بنیاد ہونی چاہیے، وحی اور الہام کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ چند اصول وضع کئے جا سکتے ہیں جن کی بنا پر صداقت، خدا، عدل، انسانیت کی معراج تک پہنچا جا سکتا ہے، یہ اصول ہی مذہب کی بنیاد ہونے چاہئیں، اور ان اصولوں پر قائم یہ مذہب ہی قابل قبول ہونا چاہئے، اور ان کے یہ اصول ہی تھے جن کی بناء پر انگریز جب مختلف ممالک میں قابض ہوا تو وہاں لوگوں کو خدا شناسی کے نام پر لوگوں میں تبلیغ کرتا اور مناظرے کرواتا تھا، اسی فکر کے سد باب میں مولانا قاسم نانوتوی نے تقریر دلپذیر اور بہت ساری دوسری تصنیفات بھی مرتب فرمائیں، اور اسی انگریزی فکر سے متاثر ہو کر سر سید احمد خان نے ایک نئے فکر کی بنیاد رکھی اور رام موہن رائے نے برہمو سماج کی بنیاد رکھی اور علامہ مشرقی اسی فکر سے متاثر ہوئے، غلام احمد پرویز، اسی فکر کے پرچارک تھے۔

اس دور میں سب سے زیادہ اہمیت انسانی معاشرے کو دی جانے لگی، اور پھر مذہب بھی وہی قابل قبول قرار پایا جو معاشرے کے نظم و ضبط میں معاون ہو، بالفاظ دیگر معاشرہ خدا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے روپ میں سامنے آیا۔

مغربی فکر میں جو تضاد روح اور مادے، ذہن اور جسم، عقل وجذبات میں قائم تھا وہی تضاد معاشرے اور فرد میں پیدا ہوا، یہی فکر آگے جاکر سرمایہ داری اور اشتراکیت یا اشتمالیت کے روپ میں سامنے آتی ہے۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کا ذہن تضادات کا مجموعہ بن جانے کے بعد تضادات کا عادی بن چکا تھا اور کسی صورت میں وہ توحید یا اتحاد کی طرف مائل نہیں ہو سکتا تھا، یہ ان کے مسخ شدہ ہونے کی بڑی نشانی ہے۔ ان کا فکری معراج یہ ہے کہ انسان کے ساتھ نفرت کی جائے لیکن وہ بھی صرف انسان کی خاطر، اور درمیان میں قول فیصل طاقت قرار پا گئی۔

چونکہ انقلاب فرانس نے یورپ کی فکری تاریخ پر بہت گہرا اثر مرتب کیا ہے، اس لئے اس انقلاب کے بنیادی عوامل طلباء اور اہل علم کے پیش نظر رہنے از حد ضروری ہیں تاکہ دینی فکر کی اشاعت میں وہ کسی الجھن اور بے یقینی کی کیفیت کا شکار نہ ہوں۔

انقلاب فرانس چار بنیادی عوامل پر قائم تھا:

جمہوریت، مساوات، اخوت، اور آزادی،

ان سب باتوں کا مفہوم ایک تو وہ ہے جو ہم اپنی اسلامی تعلیمات میں یا اہل اسلام کے ماحول میں سمجھتے ہیں، اور ان کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو اہل یورپ مراد لیتے ہیں، ان دونوں باتوں میں فرق سمجھ لینا از حد ضروری ہے۔

پہلی بنیاد: انقلاب فرانس کی بنیاد جمہوریت کو قرار دیا جاتا ہے، اور اہل فرانس کے ہاں جمہوریت کا وہ مفہوم نہیں جو ہم مسلمان علماء کے ہاں مراد لیتے ہیں بلکہ ان کے ہاں گدھے اور گھوڑے کی ایک ہی قیمت ہے، جب سے اہل یورپ نے اپنی زندگی سے خدا اور اس کے احکامات کو نکالا تو اس کے بعد انہوں نے اپنے فیصلوں کو تقدس کا جامہ پہنانے کے لئے جمہوریت کا اصول وضع کیا، اور اس اصول سے وحی، الہام، کشف، تحقیق، اور علم، کی اہمیت ختم کر کے جمہوریت کو سب سے اعلیٰ اور بالا مقام دے دیا گیا ہے، اس لئے علماء کو

جمہوریت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے بیدار مغز رہنا چاہئے کہ وہ جس جمہوریت کی بات کرتے ہیں اور اہل یورپ جس جمہوریت کی بات کرتے ہیں اس میں کیا فرق ہے اور ہماری اس سے کیا مراد ہے؟

دوسری بنیاد: انقلاب فرانس کی دوسری بنیاد مساوات کو قرار دیا گیا ہے، بظاہر تو ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ سب انسان قانون کی نظر میں مساوی ہیں، اور کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے، اہل اسلام جب یہ لفظ استعمال میں لاتے ہیں تو ان کی اس سے مراد روحانی رشتے ہوتے ہیں، لیکن اہل یورپ کے ہاں اس سے مراد یہ ہے کہ سب انسان اپنی جسمانی اور نفسیاتی ضرورتوں میں یکساں ہیں، اس لئے اہل یورپ کسی انسان کی ذہنی استعداد کے فرق کے قائل نہیں ہیں، اور کسی شخص کی روحانی برتری تو کجا سرے سے روح کا انکار کر دیا گیا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیائے یورپ اور اب پوری دنیا میں آخری اتھارٹی 'کامن سنس' یا عام سمجھ بوجھ کو مان لیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے ہاں خدا اور خدائی احکامات کی بجائے عام آدمی اور عام سوچ کو تقدس کا لبادہ اڑھا دیا گیا ہے، جو بذات خود ایک بہت بڑی گمراہی تھی

تیسری بنیاد: انقلاب فرانس اور فکر یورپ میں تبدیلی کی تیسری بنیاد آزادی کا تصور تھا اہل اسلام اور علمائے کرام جب اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد جسمانی غلامی سے آزادی مراد ہوتی ہے لیکن اہل یورپ اس سے عدم تقلید مراد لیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک کوئی شخص دوسرے کی کسی بات کا پابند نہیں ہوتا اور ہر شخص اپنی فکر میں اپنی زندگی میں اپنی ذات میں اپنے جسم میں اور اپنی مرضی میں مکمل آزاد ہے، اور نہ وہ کسی کا غلام ہے اور نہ ہی اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے، اور اپنی مرضی سے عبادات بجا لانا، اسلاف کے انکار سے بغاوت، اسلاف و اہل علم پر تبرا کرنا، اسی آزادی کا نتیجہ ہے لہٰذا ہمیں اس میں احتیاط کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

چوتھی بنیاد: انقلاب فرانس اور فکر یورپ میں جس سے تبدیلی واقع ہوئی ان کا نظریہ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اخوت ہے، ان ظاہری الفاظ کو دیکھ کر ہم بہت مسحور ہو جاتے ہیں کہ اہل یورپ نے اخوت کا بہت درس دیا ہے اور ہم اس اخوت سے وہی مفہوم مراد لیتے ہیں جو اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ اہل یورپ میں اخوت سے مراد وہ فکر ہے جسکو بعد میں ڈارون نے کھول کر بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ ہر انسان دوسرے انسان کا پیدائش میں ہم جنس ہونے کی وجہ ایک ہے، گدھے، گھوڑے، اُلو، یا بندر کے قبیلے سے نہیں ہے، لہذا اپنی جسمانی، ذہنی، اور مادی ضروریات کے لئے ہمیں انسانوں کے گروہ میں شامل رہنا چاہئے اپنے آپ کو کسی دوسرے گروہ میں شامل نہیں سمجھنا چاہئے، اگرچہ بعد میں اہل یورپ نے اس سے بھی بغاوت کر دی تھی، اور ان میں انسانوں کے علاوہ دوسرے جانوروں سے جنسی تعلقات استوار کرنا، ان کو اپنا ہم راز و ہمدم جاننا، انسانوں سے زیادہ جانوروں کی وفاداری کا یقین رکھنا شامل ہے۔

خلاصہ یہ کہ علمائے اسلام کو جمہوریت، آزادی، مساوات کے بارے میں بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

انیسویں صدی میں اہل یورپ کے فکری رجحانات

یہ وہ زمانہ ہے جس میں اہل یورپ کا بیرونی دنیا میں سیاسی اور مادی غلبہ شروع ہوتا ہے، اس دور میں پوری دنیا میں مغربی شہنشاہیت قائم ہو چکی تھی اور سائنسی ترقی اور ایجادات کا دروازہ کھل چکا تھا، اس دور کو اہل مغرب صنعتی انقلاب کا دور مانتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام زراعت کی حدوں سے نکل کر صنعت میں داخل ہو چکا تھا، مزدور اور سرمایہ دار کے جھگڑے شروع ہو چکے تھے، اور اشتراکیت اور اشتمالیت کی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا، اس صدی میں سیاست نے مذہب کا روپ اختیار کر لیا، اور معاشرے کی تنظیم میں مذہب کے کردار کا تعین اس زمانے کا خاص موضوع بنا ہوا تھا۔

اہل یورپ میں معاشرتی تنظیم کے بارے میں تین نظریات رائج ہوئے

۱۔ انفرادیت پسندی (انڈی وی جوول ازم) اس نظریے کا مبلغ جان اسٹورٹ مل تھا، اس نظریے کے پس منظر میں یہ نظریہ کارفرما تھا کہ "معاشرہ خدا نے نہیں بلکہ انسان نے خود اپنی مرضی سے اپنے ہی فائدے کے لئے بنایا تھا" اس لئے معاشرے میں ہر فرد کے انفرادی مفادات کی اہمیت ہوتی ہے اجتماع کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ مثالیت پسندی (آئیڈیل ازم) اس کا سب سے بڑا مبلغ ہیگل تھا، اس فکر میں اصل چیز معاشرہ ہے اور فرد کی انفرادیت معاشرے کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس نظریے نے بیسوی صدی میں خوب گل کھلائے اور ہٹلر اور مسولینی جیسے آمر اور جابر پیدا کئے تھے۔

۳۔ نامیت پسندی (اورگن ازم) اس نظریے کے مفکر ہربرٹ اسپنسر ہیں انہوں نے معاشرے کی یکتائی کا عملاً دعویٰ کیا اور مثالیت پسندی سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے، انہوں نے معاشرے کے جاندار کی مانند ہونے کا نظریہ پیش کیا، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرے میں مذہبی اقدار کی اور نہ ہی اخلاقی اقدار کی ضرورت ہے، بلکہ فطری عوامل

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور فطری قوانین جو کردار ادا کرتے ہیں وہی بقائے اصلح کا اصول ہوتا ہے۔

بہت سارے مسائل میں یورپی ذہنیت یہ بن چکی تھی کہ وہ ہر معاملے میں انسانی اور معاشرتی نقطہ نظر سے غور کرتے ہیں

عمرانیاتی فکر:

اسی صدی میں فرانسیسی مفکر کومٹ نے عمرانیات (سوشیالوجی) کی نئے سرے سے بنیاد رکھی کیونکہ یہ ایک قدیم علم تھا لیکن اس کو باقاعدہ ایک فلسفے کی بنیاد پر اس کو کومٹ نے مرتب کیا، اور اسی نے فلسفہ ثبوتیت (پازیٹوازم) کی بنیاد رکھی، اس فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت صرف وہی ہے جو حواس اور حسیات سے ادراک میں آسکے، اور جو چیز حواس کی زد میں نہ آسکے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا اس فلسفے نے خدا، وحی، الہام، ملائکہ، جنات اور تمام مذہبی رسومات کو انسانی ذہن کی ناپختگی کا نتیجہ قرار دیا اور حق و باطل سے مذہب کا تعلق ختم کر کے ان کو عمرانی عوامل اور انسانی ذہن کے ارتقاء کے مدارج کا ایک حصہ قرار دیا اس فکر کے حامل مفکرین مذہب کے مخالف نہیں ہوتے بلکہ اکثر اوقات مذہب کی بہت تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کو انسانی ذہن کی ترقی اور عمرانی مدارج کا ایک بنیادی حصہ سمجھتے ہیں۔

تاریخی فکر:

اسی زمانے میں تاریخی نقطہ نظر بھی معرض وجود میں آیا اور لوگوں میں اس نظریے نے بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی، اس نظریے کا نام تاریخ پرستی (ہیس ٹوریک ازم) تھا، اس نظریے میں کسی بات کی حق و باطل کو پرکھنے کی بجائے یہ دیکھا جانے لگا کہ مذہب کی کس بات کا کس زمانے میں کیا مطلب تھا گویا عقائد کو تاریخی اعتبار سے دیکھا جانے لگا، اور اسی زمانے میں مستشرقین کا گروہ منظم انداز میں تاریخ پرستی پھیلاتا نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے سائنسی ترقی اور ایجادات سے لوگ متاثر ہوئے کیونکہ اس زمانے میں ہر بندہ واقعات کو حقائق سمجھنے لگا اس طرح واقعہ کے وقوع کی اہمیت تو دیکھی جاتی لیکن اس واقعہ کے پیش وپس

منظر سے قطع تعلق کر لیا جاتا تھا، اسی زمانے میں عمرانیات کی کوکھ سے ایک نیا علم وجود میں آیا جو 'مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ' تھا اس علم کا مقصد حق و صداقت تک رسائی مقصود نہ تھا بلکہ ان مذاہب میں ایک جیسی اور مختلف باتوں کا کھوج لگانا تھا جو لوگوں کے ذہنوں میں سے مذہب کی اہمیت ختم کرنے کا ایک اہم ترین حربہ تھا۔

فطرت پرستی کی فکر:

اس زمانے میں فکری رجحانات میں سے ایک یہ تھا کہ عمرانیات کے علم میں حسی کائنات کو حق و صداقت کی اصل قرار دیا گیا، اس مادی رجحان میں سے ایک فکری شاخ پھوٹی جس کو فطرت پرستی (نیچرل ازم) کہا جاتا ہے، اس فکری شاخ کا مفہوم اس اصول پر قائم تھا کہ حسی کائنات ہی حقیقی ہے اس لئے انہوں نے اس کائنات میں پھیلے ہوئے قدرتی نظارے اور ان نظاروں سے لطف اندوز ہونا ایک اہم ترین بنیاد قرار دیا، لہٰذا پہاڑ دریا سمندر جنگل جانور وغیرہ فطرت کے مظاہر تھے، اور یہی حقیقت عظمیٰ کی نشاندہی کا موجب ہیں بعض لوگوں نے تو خدا کو فطرت کے حسن میں چھپا ہوا پایا اسی انداز فکر سے نیچریت کی بنیاد پڑی جس نے بڑے بڑے دانا لوگوں کو جانتے ہوئے یا انجانے میں متاثر کیا اس میں حالی و اقبال کی نیچرل شاعری، سرسید و مشرقی کے افکار، اور پرویز، مودودی کے دینی تصورات پر اس کا بہت اثر مرتب ہوا تھا اور ان کے افکار کو گہری نظر سے ملاحظہ کیا جائے تو اس نقطہ نظر کے ترجمان معلوم ہوتے ہیں

افادیت پرستی کی فکر:

اسی زمانے میں اخلاقیات میں سے ایک نیا نظریہ افادیت پرستی (یوٹیلی ٹے ری ین ازم) معرض وجود میں آیا، اس نظریے کے مطابق دنیا کی کوئی چیز اچھی ہے اور نہ بری ہے بلکہ کسی بھی چیز کی اچھائی اور برائی کا معیار اس کا فائدہ ہے، لہٰذا جو چیز جتنی مفید ہوگی وہ اتنی ہی اچھی ہے، اور جو کم فائدے کا باعث ہوگی وہ اسی قدر بری ہوگی۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی اقدار کی نئی بنیاد:

اس زمانے میں اخلاقیات کی بنیاد مذہب کی بجائے عقل پر رکھی گئی، اور عام اخلاقی اصولوں میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اصل نیکی وہ ہے جو دل سے کی جائے، اخلاقیات کو احکام خداوندی کی بجائے انسانی فطرت کی پیداوار قرار دیا جانے لگا، اس کام میں سب کا پیش رو رُوسو تھا اس نے آزاد اخلاقیات کی بنیاد رکھی۔

دینی اقدار کی نئی بنیاد:

اس زمانے کے دینی انداز فکر میں انسان کو عیسائیت کے برعکس معصوم قرار دیا گیا، اور انسان کی معصوم فطرت کی بناء پر آزاد دینیات کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مطلب ایک نئے لیکن تمام مذاہب کے مابین قابل قبول دین کی بنیاد ڈالنا تھا، اس لئے مذہب، دین اور اخلاق کے معاملے نے ہر میدان میں تعلیم یافتہ لوگوں کو متاثر کیا، اور آخر کار نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ انہوں نے تصوف کو بھی اخلاقیات کا ایک جزء قرار دے دیا۔

انجام کار یہ ہوا کہ عقل پرستی کی آڑ میں جذبات پرستی اور نفس پرستی کی بنیاد قائم ہوئی انہوں نے مذہب کو بطور مذہب ترک کرتے ہوئے ایک اخلاقی ادارے کے طور پر تسلیم کر لیا، مذہبی عبادات کا نام رسوم رکھ دیا گیا، اور نئے مذہب کی بنیاد رکھی گئی اور قدیم اصطلاحات اور قدیم ناموں میں چھپے ہوئے جعلی نئے مذہب کا وجود سامنے آ گیا۔

خیالی اقدار کی نئی فکر:

اس زمانے میں آزاد خیالی کے نام سے ایک نئی فکر وجود میں آئی، اس آزاد خیالی کا سب سے اہم رکن تشکیک تھی، اور یہ شکوک وشبہات ہر دین کے ہر معاملے اور مذہب کی ہر بات میں داخل ہو گئے، اسی دوران ڈارون نے جو نظریہ ارتقاء پیش کیا وہ حقیقت میں ایک تخیل تھا جو اس نے ایک ناول کی صورت میں لکھا تھا اور اس سے ملتا جلتا تخیل ابن طفیل نے تیسری صدی ہجری میں پیش کیا تھا، نظریہ ارتقاء کی وجہ سے عیسائیت کا عقیدہ کمزور ہو گیا اور اس کے ساتھ بہت سارے دوسرے مذاہب کے وہ لوگ جو جدید سائنسی افکار سے بہت متاثر تھے ان

کے عقائد میں بھی تبدیلی آئی، ان میں سرسید، عبداللہ چکڑالوی، عنایت اللہ مشرقی، وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

روحانی اقدار کی نئی فکر:

اس زمانے میں روحانیت نے بالکل ایک نیا مفہوم اختیار کر لیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ روحانیت کا مطلب ہے روحوں سے باتیں کرنا اور لوگوں کو ان کے مستقبل کا حال بتانا، اور لوگوں کی مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے آگاہ کرنا، اور ان کی مستقبل میں پیش آنے والی پریشانیوں کا قبل از وقت ازالہ کرنا، یا ان کے حالات میں وارد ہونے والے مسائل کی وجوہات بتانا وغیرہ، چونکہ یہ ایسا زمانہ تھا جب مشرقی دنیا کے لوگ اپنی حکومتوں، اپنے سرمائے، اپنی معاشرت، اور اپنے مذاہب سے محروم کئے جا رہے تھے اور اس سارے پس منظر میں مستشرقین کی پوری عملداری رہی ہے۔ اور عیسائی مشنریوں کو اپنے کام کی پوری آزادی تھی، اس لئے ہر طرف سے مشرق کے لوگوں میں فکری انتشار خوب پھیلا تھا۔

اس دور کی بنیادی خامیاں یہ تھیں

۱- مذہبی معاملات میں شخصیات و روایات کی بجائے کتابوں پر بھروسہ کرنا۔
۲- دین کے شارحین کی بجائے ذاتی رائے کو ترجیح۔
۳- ہر دین اور مذہب میں مغربی افکار سے موافقت کے عناصر تلاش کرنا۔
۴- تمام عقائد کو تاریخی انداز میں سمجھنا اور عقائد و دین کے تمام مسائل میں لغت کو اصل بنیاد قرار دینا۔
۵- دین و مذہب میں نظریہ ارتقاء کو داخل کرنا۔
۶- بلا نتیجہ تحقیق برائے تحقیق میں مبتلاء ہونا۔
۷- غیر مستند پرانی کتب کے مخطوطات کی اشاعت کرنا۔
۸- مذہب اور دین کا سائنسی انداز سے مطالعہ کرنا۔
۹- دین اور تصوف کو فلسفہ کی شاخ اخلاقیات کا ایک حصہ سمجھنا۔
۱۰- یونانی فکر و فلسفے کو دین پر ترجیح دینا۔
۱۱- اہل مشرق کے ذہن کو منجمد قرار دینا اور اپنے مسخ شدہ ذہن کو تحقیق کا معیار جاننا۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بیسویں صدی میں اہل یورپ کے فکری رجحانات

یہ دور افکار کی تاریخ کا پیچیدہ ترین دور ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں فکر کی حدوں سے آگے بڑھ کر ایجادات کی حد دو شروع ہوتی ہیں، اور فکر سے آگے مادی طاقت کا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس مادے، اور ایجادات کو نفسانی خواہشات کی تسکین کا بہترین ذریعہ بنا لیا گیا، اس دور میں اہل مغرب کی طرح اہل مشرق کے ذہن بھی بری طرح مسخ ہونا شروع ہو گئے تھے۔

اس دور کے مشکل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہ تو عقلی دور ہے اور نہ ہی سائنسی، نہ سرمایہ داری، نہ اشتراکی، نہ جمہوری اور نہ شاہی، نہ مکمل دینی اور نہ مکمل لادینی دور، گویا یہ دور ایک قسم کا شترمرغ ہے ایک بات کا دعوی کریں تو وہ دوسری طرف سے عذر پیش کر دیتا ہے، اس دور میں نئے نئے فرقے اور عجیب عجیب مذاہب وجود میں آئے، نئے نئے دین اور ہر دین کے اصلی دین ہونے کا دعوی سامنے آیا، پورا یورپ عیسائی دین میں نئے سرے سے داخل ہوا لیکن ان کی اس نئے عیسائی مذہب سے مراد طبع زاد دین ہے اور ایک نیا پیدائشی (نیو بورن عیسائی فرقہ سامنے آگیا۔

اس زمانے میں دنیا میں ایسے محیر العقول واقعات سامنے آئے جن سے انسانی فکر کی بنیادیں ہل گئیں، مثلاً پہلی اور دوسری عالمی جنگ، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، اور اس کے وجود پر استحقاق کے دعوے، اشتراکی نظام کا قیام، امریکہ اور روس کے نام سے دو سپر طاقتوں کا قیام، اقوام عالم اور اقوام متحدہ کا وجود، ایٹم بم کا استعمال، ہوائی جہاز کی ایجاد، اور خلاء میں مصنوعی سیاروں کا چھوڑا جانا، اور بحری تجارت کی وسعت، ایٹم سے کائنات (یونی ورس) کا تصور ایک جگہ جمع ہو گیا۔

بیسویں صدی کے فکری رجحانات میں نئی سائنس، نئی نفسیات، اور نئے فلسفہ میں عقل کلی کے انکار کے ساتھ ساتھ عقل جزئی کا بھی سرے سے انکار کر دیا گیا، اور اسکی جگہ جبلت

اور جسمانیت کی پرستش کی جانے لگی اور یہ تصور زام ہو گیا کہ ایک وقت ہوگا جب روح، جسم اور جسم، روح بن جائے گی، اس کے بعد نئے مفکرین نے پرانی اصطلاحات استعمال کرنی شروع کر دیں، جس سے لوگوں کو دھوکہ دینا مقصود تھا اور نئے زمانے کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شائد لوگ نئے سرے سے دین کی طرف لوٹ رہے ہیں جبکہ یہ نئی مذہبیت پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک تھی۔

ولیم جیمز، اور جان ڈیوی: نے امریکہ سے ایک نئی فکر عملیت پسندی (پرگماٹزم) کا فلسفہ پیش کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی خیال یا نظریہ بذات خود صحیح یا غلط نہیں ہو سکتا، بلکہ عملی زندگی میں اس کے مادی اثرات دیکھ کر ہی اس کے درست یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، ولیم جیمز نے عقل جزوی کی جگہ ایک نئی اصطلاح 'تحت الشعور' متعارف کروائی، یعنی انسانی جبلت پر عقل کی بجائے اس کا تحت الشعور اثر انداز ہوتا ہے، جیمز نے روح، نفس کو بھی خالص جسمانی عوامل کا نتیجہ قرار دیا، اور اس نے مذہبی تجربہ کے نام سے ایک نئی لیکن جھوٹی روحانیت میں لپٹی ہوئی فکر متعارف کروائی جس کا مطلب روحوں سے باتیں کرنا اور اس نے مذہب اور روحانیت کا ایک نیا تجربہ متعارف کروایا جو نئی مادی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا۔

اسی دوران برگساں نے عقل جزوی کی بجائے وجدان کو متعارف کروایا، جس سے اہل علم یہ سمجھتے تھے کہ یورپی فکر کو مذہب کے بہت قریب لے آئے گا لیکن وہ سراسر ضلالت اور گمراہی تھی، عقل کلی کا اس کو تصور بھی نہ تھا بلکہ اس کے اس عقل کلی سے مراد عقل جزوی اور عقل معاش ہی تھی، عقل کا اصل مقصد یہ تھا انسانی معاشی ضروریات کی تکمیل کرنا اور وہ عقل جزوی کے ذریعے ہی ممکن تھا اسی فکر کا نام اس نے وجدان رکھ لیا تھا، اسی برگساں نے تخلیقی ارتقاء کا نظریہ پیش کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی فطرت اور حیات میں ایک ایسی طاقت رکھتا ہے جس کو ارادہ کی قوت بھی حاصل ہے گویا اس کے نزدیک کائنات اپنے اندر حیات اور زندگی رکھتی ہے اور اپنے ارادے سے عمل کرتی ہے۔

برگساں نے جس مذہب کا تعارف کروایا تھا اس کا نام حیات یا زندگی تھا بعض لوگ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں کہ برگساں اور بعض دوسرے مفکرین مادہ پرستی کے خلاف تھے لیکن یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ مفکرین مادے کے خلاف ضرور تھے لیکن انہوں نے اس کائنات کی حقیقت توانائی میں تلاش کر لی تھی، حیات کو وہ مادے میں دیکھتے تو ہیں لیکن بجلی کی طرح سیال دیکھتے ہیں، اور روح کو توانائی کی ہی ایک شکل قرار دیتے ہیں، اس طرح انسان کو مادہ پرستی سے انسان پرستی کی طرف اور وہاں سے جہت یا فطرت پرستی اور مظاہر پرستی کی طرف بڑھاتے جا رہے ہیں۔

ہیگل، اور کارل مارکس کا نظریہ کمیونزم:

جن نظریات نے مغربی فکر کو خیرہ کر دیا تھا ان میں کمیونزم خاص طور سے قابل ذکر ہے، ان کا اصول یہ ہے کہ ذرائع پیداوار ذاتی نہیں بلکہ سماج یا ریاست کی ملکیت ہونے چاہئیں، اس کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی کی بنیاد معاشیات پر ہے، اور انسانی زندگی کے تمام عوامل چاہے تہذیب ہو یا فلسفہ، شعر و ادب ہو یا اخلاق، مذہب ہو یا سیاست، سب کا تعین اور ترقی معاشی عوامل کی بنا پر طے ہوتی ہے۔ ہر زمانے میں انسان کے جیسے ذرائع پیداوار ہونگے، ویسے ہی ان کا فلسفہ، مذہب، معاشرت تشکیل پائے گی، ان کے علم کلام کی اصل بنیاد جدلیاتی مادیت کا نظریہ ہے، اس فکر کا منشاء یہ ہے کہ ہر زمانے میں ذرائع پیداوار اور انسانی اقدار میں مقابلہ چلتا رہتا ہے جو ان میں سے غالب آ جائے وہ حاکم اور دوسرا محکوم بن جاتا ہے، اور یہ مقابلہ بازی کا سلسلہ مستقل چلتا رہتا ہے۔ اسی زمانے میں عمرانیات نے دو روپ اختیار کر لیے پہلا روپ۔ مادی عمرانیات جسکا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے اور دوسرا روپ جدلیاتی عمرانیات جو انسانوں کے آپس کے تضادات کی صورت ترقی کرتی رہتی ہے۔

فرائڈ، اور یونگ کی نئی نفسیات:

بیسویں صدی میں عقلیات کو نئی نفسیات نے زیر کیا، انسانی افعال اقوال و افکار کی عملداری میں عقل جزوی اور شعور کا دخل بالکل نہیں تھا بلکہ سب پر لاشعور اثر انداز ہو رہا تھا اور

اس لاشعور کے دو اجزاء ہیں جنسی جبلت۔ اور جنسی توانائی، انسان کی تمام ظاہری اور باطنی سرگرمیاں جنسیت ہی سے نکلی ہوئی ہیں، یہاں تک کہ مذہب بھی اسی جنسیت کی پیداوار ہے، فرائڈ کے افکار میں 1920ء میں ایک بنیادی تبدیلی آئی پہلے اس کا نظریہ تھا کہ انسان لذت کا خواہاں اور تکلیف سے گریزاں رہتا ہے، لیکن اس عرصے میں اس کے افکار میں یہ تبدیلی آئے کہ ہر ایک چیز موت کی خواہاں ہے گویا پہلے اس کا نظریہ لذت و خوف کے درمیان تھا بعد میں محبت اور موت کے درمیان آ گیا۔

یونگ نے اس عرصے میں ایک بنیادی تبدیلی یہ کی کہ جنسیت کے مفہوم میں وسعت دے کر زندگی کی بنیادی توانائی کا مفہوم اس میں داخل کر دیا، فرائڈ کے لاشعور میں یونگ نے اجتماعی لاشعور کو داخل کر دیا، اور پوری انسانیت کو ایک اجتماعی لاشعوری ذہن کا منبع و مخرج قرار دے دیا، اکثر باتیں جو اہل مذاہب خدا کی طرف منسوب کرتے تھے یونگ نے ان کو اجتماعی لاشعور کی طرف منسوب کر دیا، اسی طرح افلاطون کے اعیان کو بھی یونگ لاشعور میں لے آیا، آخر میں اس نے یہ کہہ دیا کہ افلاطون کے اعیان، نامیاتی اجسام کی حیاتیاتی ساخت میں موجود رہتے ہیں، وحی کو بھی یونگ نے اجتماعی لاشعور کا ظہور قرار دے دیا اور مذہب کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ وحشیانہ دور کی یادگار ہیں، عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یونگ نے مذہب کو یورپ میں زندہ کیا ہے لیکن اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے چونکہ مذہب اور تصوف کی اصطلاحات کی نفسیاتی انداز میں تشریح کر دی تھی اس لئے اب مذہب کے نام پر لوگ مذہب سے بے گانہ ہو چکے تھے، اور اب تو پوری دنیا کی فکری میدان میں یہ بات غالب آتی جا رہی ہے کہ جتنے بھی نفسیاتی اور ذہنی عوامل ہیں وہ سب کے سب عضویاتی اور جسمانی عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

نفسیات کے اس دور میں ایسی ایجادات بھی کی گئیں جو انسان کے ذہن کا کام اس کے ذہن سے تیز انداز میں انجام دے سکتی تھیں مثلاً کمپیوٹر، روبوٹ، کیلکولیٹر، اور اسی طرح آٹومیٹک انداز سے کام کرنے والی مشینیں، اور ان کے پس منظر میں یہ سوچ کارفرما تھی کہ

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس طرح یہ مادی اشیاء اور انسان کی تخلیق شدہ مشینیں سوچ و بچار کر سکتی ہیں، اگر انسانی فکر کی طاقت کو قابو کر لیا جائے تو انسانوں کے ذہنوں کو آسانی سے قبضے میں لایا جا سکتا ہے۔

اسی سے یہ سوچ بھی پیدا ہوئی کہ روحانی انداز میں انسان اپنی باطنی قوتوں کو بیدار کر سکتا ہے، وہ انسان کے ذہن کی پوشیدہ قوتیں ہیں اور انہی قوتوں کو ماورائے حسی ادراک کہتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

سائنس ہو یا فلسفہ یا نفسیات کہیں بھی دین کی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ پہلے سے زیادہ مہلک اور خطرناک روپ اختیار کر کے لوگوں کے ذہنوں پر جسمانیت کے پردے ڈالے جا چکے ہیں، اس لحاظ سے قدیم سائنسی نظریہ سے زیادہ مہلک وہ سائنسی نظریہ ہے جس کو جدید انداز میں اور جدید دور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ نیا سائنسی مذہب اس وجہ سے خطرناک ہے کہ یہ سب میں موجود روح کو خدا مانتا ہے، یہ لوگ سارے مذاہب کو حق مانتے ہیں، الفاظ وہی استعمال کرتے ہیں جو مذاہب میں رائج تھے، مختلف مذاہب کے عقائد اور ان کے تصوف کی رموز کو لے کر آپس میں جوڑا جاتا ہے اس سے ایک نیا تصوف پیدا کیا جاتا ہے، سارے مذاہب کا خدا ایک ہی ہے لیکن اس نئے مذہب نے اس خدا کا نام مادہ رکھ لیا ہے، تو جس چیز کو انیسویں صدی میں فلسفہ کہا جاتا تھا اسی کو بیسویں صدی میں عملیت پسندی کہا جانے لگا، اس کے بعد ایسے نظریات پیدا ہوئے جو فلسفہ کہلانے کے بالکل لائق بھی نہیں تھے لیکن ان کو فلسفہ کا نام دیا جانے لگا، اور نئے دین عیسوی کی بنیاد انہی افکار پر رکھ دی گئی۔

وجودیت کی فکر:

بیسویں صدی میں اہم ترین فلسفہ وجودیت پرستی (اگزسٹن شل ازم) ہے، اس فکر کا فلسفیانہ انداز میں ژاں پال سارترے، اور مذہبی انداز میں 'کرے کے گورڈ' بانی تھے، یہ فکر لسانی ادب کے ذریعے زیادہ پھیلا ہے، اس فکر سے پہلے یہ بات مسلم تھی کہ جوہر پہلے اور عرض

بعد میں آتا ہے لیکن وجودیت کے علمبرداروں نے عرض پہلے اور جوہر کو بعد میں ہونے کا دعویٰ کیا۔

وجود کے دو مفہوم ہیں ایک تو پرانے فلسفیوں کے نزدیک 'وجود مطلق' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہ مفکرین وجود کو وجود خارجی اور وجود مادی کے معنوں میں استعمال کرتے تھے۔

وجودیت کی فکر کے علمبردار مفکرین کے نزدیک وجود کی دو قسمیں ہیں

پہلا وجود: جو تمام اشیاء حتیٰ کہ پتھروں کو بھی حاصل ہے یہ صرف مادی اور جسمانی وجود ہے

دوسرا وجود: جس کا ادراک انسان اپنے حواس اور شعور کے ذریعے کرتا ہے یہ وجودیت کے علمبردار اسی دوسرے وجود کو اہمیت دیتے ہیں، ان کے نزدیک کسی بھی انسان کے وجود کا جوہر یا اس کی ماہیت پہلے سے کوئی طے شدہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر نئے عمل کی تعمیل کے وقت نئے سرے سے اس کو اپنا جوہر اور اپنی ماہیت متعین کرنی پڑتی ہے۔

اس سارے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے:

انسان کی ماہیت کا تعین خدا نہیں بلکہ انسان خود کرتا ہے، اور انسانی ماہیت کا تعین اس کے عمل کے ذریعے ہوتا ہے، اور انسان کی یہ ماہیت عمل کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

وجودیت نے فکر کی دنیا میں یہ بات بھی متعارف کروائی ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر مہمل ہیں، اور ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اس مہملیت کو قبول کرے تبھی اپنے جوہر کو دریافت کر سکتا ہے، آج کے نوجوان کے ذہنی انتشار کی سب سے بڑی وجہ یہی فکر ہے۔

منطقی اثباتیت کی فکر:

مغرب نے ایک اور فلسفہ اپنے نوجوانوں کو متعارف کروایا جس کا نام منطقی اثباتیت ہے اس فلسفے کا حاصل کلام یہ ہے

اب تک یہ بات ہر زبان اور ہر علاقے میں مسلم رہی تھی کہ جملے کے تین اجزا ہوتے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں: اسم، فعل، اور حرف۔ اس میں اسم کسی چیز کے نام کو کہتے ہیں لیکن اس فکر کے لوگ کہتے ہیں صرف اسم کسی خاص چیز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ جملے کا ہر لفظ اور ہر جملہ کسی مخصوص حالت کے بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس فکر کا انجام یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی جملہ اپنے مخصوص معانی کے لئے متعین نہیں حتی کہ مذہبی جملے بھی اپنے مخصوص معانی کے لئے متعین نہیں کئے جا سکتے بلکہ ان جملوں کو اس مخصوص حالت میں دیکھا جانا چاہئے جس میں وہ بولے جا رہے ہوں۔

وقت اور زمانے کا تصور:

اس سے قبل وقت کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا، ماضی، حال اور مستقبل، اور اس قدیم نظریے میں وقت کو ایک خط یا لکیر کی مانند قرار دیا گیا تھا جس کی ابتداء اور انتہا اور درمیان تھا، لیکن اس نئے نظریے میں ماضی حال اور مستقبل کی بجائے زمانہ ہر حالت میں ایک ہی حالت قرار پا گیا تھا، وقت کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ ابدی اور دائمی ہے، یہ نظریہ اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ اس میں بہت سارے دینی مسائل مثلاً معجزات انبیاء، اور کرامات اولیاء، اصطلاحات صوفیاء سے مدد لی گئی ہے

بیسویں صدی کی تلاطم خیزی نے انسانی زندگی میں جو بھونچال برپا کیا اس کے اہم ترین مغالطے یہ ہیں، مثلاً:

۱: سائنسی اصول کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کو علامات اور اشارات کے ذریعے بیان کیا جا سکتا ہے، اور دوسری بات یہ کہ کہنے کو یہ عام آدمی کی صدی تھی لیکن عام آدمی کی دسترس سے اس صدی کا ہر فکر اور ہر علم باہر ہو گیا تھا

۲: اس صدی میں طبعیات کی نئے سرے سے بنیاد سازی کی جا رہی ہے اس طبعیات کی تشکیل جدید کو بائیولوجیکل فزکس یا کیمیکل بائیولوجی کا نام دیا جا رہا ہے۔

۳: اس نئی صدی نے انسانی افکار میں مادے کی بجائے توانائی کی بنیاد قائم کر دی، جو حقیقت میں ایک ہی تصور کا تعین ہے

۴: اس صدی کی ابتدا میں نظام ہستی کو ایک مشین کی مانند اور اب اس کو ایک زندہ جسم کی مانند سمجھا جانے لگا۔

۵: پہلے سائنسی ضابطوں کو اٹل اور حتمی سمجھا جاتا تھا اب ہر اصول اور قانون میں عدم تعیین اور مستقل طور پر غیر یقینی کی کیفیت داخل ہو گئی ہے۔

۶: پہلے حقیقت ایک ٹھوس وجود کا نام رکھا گیا تھا اب حقیقت بذات خود مشکوک اور مبہم ہو کر رہ گئی ہے۔

۷: پہلے سائنس نے مذہب اور خدا پر سے اعتماد ختم کر دیا تھا لیکن موجودہ دور کی سائنس مذہب، خدا اور روح وغیرہ کو مان تو گئی لیکن ایک قسم کی مادیت کو خدا، روح اور مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا۔

..............☆..............

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سائنس کے بنیادی نظریات کا خاکہ

سائنس کے نئے نظریات کو مکمل طور سے سمجھنا سائنسی اور ریاضیاتی علوم کے بغیر ممکن نہیں، لیکن مختصر انداز میں ایک اجمالی سا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلم علمائے کرام طلباء کو ان سے اگر مکمل آگاہ نہ بھی کر سکیں تو بھی اشارات سے متنبہ تو کر دیں۔

مادے کے مفہوم کا مسئلہ:

پہلے یہ بیان کیا جاتا تھا:

"مادہ توانائی کی ایک خاص شکل ہے جس میں کیت زمان اور مکان میں پھیلاؤ پایا جاتا ہے"

گویا اس نظریے میں اصل چیز مادہ تھی اور مادے کی بنیادی شکل جزولا یتجزی یا جوہر یا ایٹم تھا اس وجہ سے کائنات ایک ٹھوس چیز نظر آتی تھی اور بعد میں جب رادر فورڈ نے ایٹم کو توڑا تو اس کے مفہوم میں مادے کی بجائے توانائی کے لفظ سے تبدیلی آگئی اور اب ایٹم یا جوہر کی تعریف یہ ہوئی:

'جوہر کسی عنصر کی وہ سب سے چھوٹی وحدت ہے جو اپنی کیمیاوی انفرادیت باقی رکھتی ہے'

اور توانائی کی تعریف یوں کی گئی کہ:

'کام یا عمل کی صلاحیت'

اس صورت میں دعویٰ یہ کیا گیا کہ قدیم سائنس مادہ پرست تھی لیکن نئی سائنس مادہ پرست نہیں رہی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ توانائی مادے کی ہی ایک شکل تھی، اور توانائی اور مادہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں:

یہاں سے ایک نیا نظریہ پیدا ہوا جس کو ساخت کہا جاتا ہے، اس بات نے ذہنوں کو

اس قدر متاثر کیا کہ کسی جزو کی ساخت کو اصل کا روپ دیا جانے لگا اور یہ کہا جانے لگا کہ مادے کے اندرونی یا بیرونی اجزاء کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اصل چیز اس کی ساخت ہے اس نظریے نے انسانیت پر اس قدر اثر ڈالا کہ ایک پورا فلسفہ معاشرت معرض وجود میں آ گیا جس کو ساختیت (سٹ رک چرل ازم) کہتے ہیں، اس نکتۂ نظر نے معاشرے، لسانی ادب، زبان اور مذہب کو بھی متاثر کیا ہے، اس کے لئے عموماً میکانزم کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے

توانائی کا مسئلہ: پہلے مادے کو قدیم سمجھا جاتا تھا، اس کی بجائے اب توانائی کو قدیم مانا جانے لگا، توانائی میں ان تمام صفات کو تسلیم کیا جانے لگا جو پہلے مادے میں تسلیم کی جاتی تھیں، مثلاً توانائی کو پیدا نہیں کیا جا سکتا، فنا نہیں کیا جا سکتا، توانائی کی بقا اور عدم تعیین کے اصول اس میں مانے جانے لگے جو پہلے مادے کی خاصیات تھیں، حیات اور فطرت اپنی ذاتی توانائی سے زندہ ہیں، عدم تعیین میں خدائی صفات لاتعیین نے لے لی، یہ بہت خطرناک نظریہ ہے اس کا اثر یہ ہے کہ قیوم کا معنی کائنات کی توانائی سمجھا جانے لگا اور خدا کو توانائی کا منبع قرار دیا جانے لگا جو بہت خطرناک ہے

اضافیت کا مسئلہ: نئے سائنسی نظریات میں آئین سٹائین کا نظریہ اضافیت ہے اس نظریے کی وجہ سے ایٹم بم اور مصنوعی سیارے ایجاد کئے گئے، اس نظریے کی تفہیم بہت مشکل ہے البتہ چند اصطلاحات بہت معروف ہیں مثلاً بعد رابع یا چوتھی جہت کیونکہ تین جہات تو پہلے سے تسلیم تھیں: لمبائی، چوڑائی، اور موٹائی، لیکن اس نظریے کی رو سے زمان و مکان کی قید بھی لازم قرار دی گئی، اور اس سے مراد زمانی اور مکانی تسلسل ہے، اس کی رو سے دنیا کی ہر چیز زمان و مکان کی حدود میں گرفتار ہے، اور لاتعیین تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

نظریہ اضافیت کا خلاصہ یوں ہے:

ایک چیز جو ایک جگہ اور ایک وقت میں درست، اور دوسری جگہ دوسرے وقت میں غلط ہو سکتی ہے، مثلاً یونانیوں کی اقلیدس میں ہموار سطح کا اطلاق زمین پر درست تھا، لیکن خلا پر اس

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا اطلاق غلط ہوگیا تھا اس لئے کہ خلاء خم دار ہوتی ہے اور خلاء کے خم دار ہونے کا نظریہ آئن سٹائین کا پیش کردہ تھا، اسی طرح حق وصداقت کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ یہ اضافی چیز ہے اور زمان ومکان کے بدلنے سے یہ بھی بدل جاتی ہے۔

نظریہ کوانٹم: یہ نظریہ مکس پلانک نے پیش کیا تھا، اس نظریے کا خلاصہ یوں ہے کہ

توانائی کی حرکت میں تسلسل نہیں ہے جیسے دور نظر آنے والے ستارے کی روشنی کبھی جلتی اور کبھی بجھ جاتی ہے، تصوف یا علم کلام سے عدم آگہی کی وجہ سے اس کو تجدد امثال کا نظریہ سمجھا جاتا رہا ہے، جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے، تجدد امثال کا اطلاق مادیت پر ہرگز نہیں ہوسکتا ہے، جبکہ اس نظریے میں مادیت کا ظاہر ہونا اور غائب ہونا مراد ہوتا ہے۔

بقائے مادہ کا قانون:

مادے کے بارے میں عموماً یہ قانون سمجھا جاتا تھا کہ وہ فنا نہیں ہوسکتا، لیکن بعد میں سائنس نے ایک اصول دریافت کیا جسکا نام تھرموڈائنمکس کا دوسرا قانون رکھا گیا اور اس سے مراد ایسے قوانین ہیں جو توانائی اور حرارت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

توانائی کے بقائے دوام کا قانون:

توانائی ایک کام کرنے کی صلاحیت ہے لیکن کام کرتے کرتے یہ ایک تخریبی قوت بن جاتی ہے، اسی اصول کی وجہ سے دنیا کے بہت سارے ممالک مجرموں کی سزائے موت ختم کرنے کے قوانین بنا رہے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ہر انسان خرابی اس لئے کرتا ہے کہ اس کی خوبی کی طاقت کے ساتھ خرابی کی طاقت جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

ضد مادہ کا مسئلہ:

اور مادے کے ذرات کے ساتھ ایسے ذرات بھی پائے جاتے ہیں جو ہوتے تو غیر مادی ہیں لیکن ان میں مادے کی دشمنی کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے، اور جب یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو اس سے مادے کو فنا آجاتی ہے۔

مذکورہ تمام نظریات طبعیات سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ دوسرے علوم میں بھی بہت سارے نظریات پیدا ہوئے ہیں جو اصل میں طبعیات کی انسانی زندگی میں تاثیر کا نتیجہ ہیں۔

کائنات کے بارے میں نظریات:

یونانی مفکر بطلی موس کے نقطہ نظر سے یہ کائنات محدود تھی لیکن یورپی مفکر کوپرنکس نے کائنات کے لامحدود ہونے کا نظریہ پیش کیا، اس کے بعد اس مسئلہ میں بھی اختلاف چلتا رہا ہے کہ یہ کائنات محدود ہے یا لامحدود ہے، کائنات کی تعداد کتنی ہے، کیا یہ کائنات جتنی ہے ہمیشہ اتنی ہی رہے گی، کیا یہ بڑھتی جارہی یا گھٹتی جارہی ہے، یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی ؟ مادے کے سکڑنے سے یہ وجود میں آئی ہے یا مادے کے پھیلنے سے وجود میں آئی ہے، کیا کسی دھماکے کی پیداوار ہے؟ کیا آئے دن کوئی کائنات نئی بن رہی ہے اور پرانی بگڑ رہی ہے یا نہیں؟ کیا کائنات ختم ہوگی یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہیں کہ شاید ہی کبھی ان کے حقیقی جوابات تک رسائی ممکن ہوسکے سوائے اس کے کہ ہم مذہب کے سامنے سر جھکا دیں۔

چونکہ عیسائیت نے اپنی آنکھ پہلے دن رومن لادینیت میں کھولی تھی اس لحاظ سے اس لادینیت پر عیسائیت نے اپنا پردہ ڈال دیا تھا، اور اب وہ آئے دن یہی کرتی جارہی ہے، جب کوئی نیا نظریہ، کوئی نئی فکر پیش کی جاتی ہے تو عیسائیت اس کو اپنے علم کلام میں شامل کرنے میں بے صبری سے کام لیتی ہے۔

اور آج کا جدید تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان بھی یہی چاہتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بھی ایسا ہی کیا جائے، اور نعوذ باللہ جتنے نئے فلسفے اور نئے سائنسی نظریات پیش کئے جائیں ان سب کے بارے میں وہ چاہتے ہیں کہ ان کو عین اسلام مان لیا جائے؟؟؟

استناد یا سند کا مسئلہ:

جدید سائنسی فکر نے انسانی معاشرے میں ایک بہت بڑی الجھن یہ پیدا کی کہ سابقہ تحقیق سے اعتماد ہٹا دیا، اول یورپ میں مارٹن لوتھر اس فکر کا بانی تھا، اس نے پوپ کو سند ماننے سے انکار کرنے کی بنیاد رکھی، اور اس شخص نے ہر ایک کے لئے انجیل تک بذات خود رسائی کا دعوی کیا، اور اسی فکر کے لوگ ہمارے ہاں بھی پیدا ہورہے ہیں، جو ہر بات میں قرآن یا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

حدیث کا ثبوت مانگتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان علمی سوچ کے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ثبوت کیا ہوتا ہے، اور سند یا حوالے میں یہ حضرات خود تمیز نہیں کر سکتے،

اہل مغرب کے ہاں سند یا حوالہ پیش کرنے میں بہت سی مشکلات ہیں

۱- ان کے ہاں ایک علم کا ماہر دوسرے علم کے ماہر کی بات کو سند نہیں تسلیم کرتا

۲- علم دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے اس لئے نئی سے نئی تحقیقات سامنے آ رہی ہیں، اور پانچ سے سات سال بعد پہلا علم قدیم ہو کر، نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے

۳- آجکل کتابوں میں رواج کو بڑا دخل ہو گیا ہے ایک کتاب یکا یک رواج میں آتی اور قابل اعتماد بن جاتی ہے اور دوسرے ہی لمحے وہ رواج میں سے باہر ہو جاتی ہے اور یوں وہ بے اعتماد ہو جاتی ہے

۴- پڑھنے والے اپنے ذوق کی کتاب کو قابل اعتماد اور جس کا ذوق نہ ہو وہ چاہے جتنی با اعتماد ہو اس کو نا قابل اعتماد سمجھتے ہیں

۵- کتابوں کی دو قسمیں ہیں

ایک وہ جو اہل علم اور اہل دانش کے لئے لکھی جاتی ہیں اس قسم کی کتابوں تک عام آدمی کی رسائی نہیں ہوتی اور دوسری عام لوگوں کے لئے لکھی جانے والی کتابیں جن کی معلومات نا قابل اعتماد ہوتی ہیں ان میں ناول کی صنف یا تاریخی ناول ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

۶- بعض کتب شعوری طور پر خاص نظریات کو عام کرنے کے لئے مرتب کی جاتی ہیں، انتظامیہ، حالات، مالکوں کے بدلنے سے ان میں بھی تبدیلی کر دی جاتی ہے

۷- آجکل کتابوں کی اس قدر بھر مار ہے ان کی فہرست پڑھنا ہی بہت مشکل ہے

۸- حوالوں کی گنتی بڑھانے کے لئے یہ رواج عام ہو گیا ہے کہ چاہے جیسا بھی حوالہ ہو بس کتاب میں بھرتی ڈالنی چاہئے

۹- ماہرین اور غیر ماہرین میں رقابت، پبلشرز کی داداگیری، اور مصنفین کی معاشی افادیت، فروخت کنندگان کی کمیشن یہ وہ عوامل ہیں جو بہت بڑی علمی کتاب کو ردی کا روپ اور لایعنی کتاب کو علمی شاہکار بنا دینے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں

مغربی گمراہیوں کی فہرست

حسن عسکری کی کتاب جدیدیت کے آخر میں انہوں نے ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں اہل یورپ کی فکری گمراہیوں کو کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے اکثر باتیں کسی نہ کسی انداز میں اوپر بیان کر دی گئی ہیں، اور ان کی تفصیل جدیدیت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے لیکن ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں تا کہ اہل علم ان سے استفادہ کر سکیں

۱- عقائد اور ایمان کو متغیر اور قابل تبدیل چیز سمجھا جاتا ہے۔

۲- عبادات کو رسوم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

۳- مذہب ایک معاشرتی ضرورت، اور انسانی ذہن کی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔

۴- تصوف ایک جذباتی تسکین کا سامان مانا جاتا ہے۔

۵- دینی معاملات میں عام آدمی کی سوچ (کامن سنس) کو قطعی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

۶- تمام دینی مسائل کے درست ہونے کا عقل کو معیار سمجھا جاتا ہے۔

۷- مادہ دنیا کی حتمی حقیقت ہے جو ایک درجہ آگے جانے سے توانائی کا روپ اختیار کر لیتی ہے، اور مادی ترقی اور ہر اچھائی کا اصلی معیار ہے۔

۸- حرکت کو ہر ایک میدان میں معیار حق سمجھنا، اور جہاں حرکت نہ ہو اس کو جامد اور فرسودہ قرار دینا۔

۹- تحقیق برائے تحقیق کے لایعنی اور بے مقصد عمل میں مبتلا ہونا۔

۱۰- صداقت کے عدم دستیاب ہونے کا قائل ہونا۔

۱۱- علم اس کو سمجھنا جس کے استعمال سے مادی اشیاء بنائی جا سکیں۔

۱۲- مذاہب کا تقابلی مطالعہ کر کے ان سے بلاوجہ مماثلتیں تلاش کرنا۔

۱۳- ایک دین کے اثرات دوسری قوموں میں تلاش کرنا جیسے تصوف کو ایرانیوں ہندیوں

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں تلاش کیا جاتا ہے۔

۱۴- دینی کتب کا ظاہری مطلب مراد لینا، اس میں ذاتی رائے کو فوقیت دینا، دینی تصورات کو اہل یورپ کے پیمانے سے ماپنا دین کا جدید بنانے کی کوشش اور مطالبہ کرنا۔

۱۵- اہل یورپ کی طرح مسلمان ائمہ کے افکار کو ایک نظام زندگی یا فکری نظام باور کروانا جیسے فقہ حنفی اور شافعی اور تصوف میں نقشبندی اور قادری وغیرہ۔

۱۶- دینی معاملات میں سیاسی نقطہ نظر سے فیصلہ اور دینی کتب میں سائنسی مسائل تلاش کرنا

۱۷- وجود کے مراتب نہ جاننا، روح، نفس، عقل، علت، ذہن، وغیرہ میں فرق نہ سمجھنا۔

۱۸- مذہب کو روایتی چیز سمجھنا اور روایت کے مفہوم سے آشنا نہ ہونا۔

۱۹- ہر ہر بات میں سند مانگنا اور سند کے لئے پیش کی جانے والی کتاب کی اہمیت بھی نہ جاننا

۲۰- تصوف اور بیعت اور طریقت کے نظام لوازمات کو نفسی تجزیہ وغیرہ سمجھنا۔

۲۱- خدا کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ایک نامیاتی حقیقت ہے اور خدا کائنات اور حیات میں موجود ہے، اور تشبیہ اور تنزیہ کے فرق سے آگاہ نہ ہونا، یا خدا کو انسانی انا میں پوشیدہ سمجھنا، یا خدا کو فطرت کے قوانین یا فطری حسن میں مضمر خیال کرنا۔

لاالہ الا اللہ من یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہماری فکری اور تعلیمی زبوں حالی

پر

نالائے ''الطاف حسین حالی''

انتخاب و ترتیب

رشید احمد العلوی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزارش

چونکہ شعری و شاعری بھی انسانی مزاج کا ایک خاص وصف ہے اور اس وصف کو استعمال میں لانے سے تعلیم و تعلم کو وسعت و ترقی دی جا سکتی ہے۔ برصغیر میں شاعری کی دنیا میں دو نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے مسلمانان عالم کی گزشتہ صدی کے آغاز میں منظوم رہنمائی فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک نام علامہ محمد اقبال اور دوسرا نام علامہ الطاف حسین حالی کا ہے۔ علامہ اقبال کی فکر سے کسی نہ کسی انداز میں عوام و خواص اہل علم آگاہ ہیں لیکن ذوق طبع کے لیے علامہ حالی کے چند اشعار ان کی ''کلیات نظم حالی'' سے ہدیۂ قارئین خدمت ہیں

''اللہ ہمیں چشم بینا عطا کر''

ابتدائے اسلام میں کس طرح علم و حکمت کی طرف مائل کیا

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا
کہ ہیں دُور رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا
ہے تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
انھی کے لیے یاں ہے نعمت خدا کی
انھی پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی (۱)

علم و حکمت کے عام ہونے کے اسباب

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

---

(۱) اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: ''الا ان الدنیا ملعونة ملعون ما فیها الا ذکر الله وما والاه وعالم ومتعلم (یعنی خبردار ہو کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں ملعون ہیں بجز ذکر خدا کے اور جو اس سے مناسبت ہو اور بجز عالم اور متعلم کے)۔

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
اگر اختلاف اُن میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اُس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی (۱) کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی (۲)
سبب کچھ نہ تھا اس کا جز قدردانی
کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
ترقی میں کرتے تھے جو جاں فشانی
حیات اُن کو ملتی تھی وہاں جاودانی (۳)
وطن چھٹتے جی اُن پہ قرباں تھا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ آشکارا (۴)

---

(۱) آزادگی: علمی ترقی اور فکری وسعت کا نتیجہ (۲) باغِ گیتی: دنیا (۳) جاودانی: ہمیشگی
(۴) مؤرخین نے لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے ہندوستان سے واپس جانے کے بعد یہاں کے مقامی غیر مسلموں نے ان کا مجسمہ تیار کرلیا اور اس کو سامنے رکھ کر اُن کی پوجا کی جانے لگی۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اسی گر نے تھا جوش سب کو دلایا
کہ تھا اک جزیرے نے رُتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا
اسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا
اس اُمید پر کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

مسلمانوں کی علمی ذوق اور تعلیمی ترقی کے ثمرات کا تذکرہ یوں فرمایا:

لیے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے
کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا
ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا
فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا ہر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانے کو خواب[1] گراں سے

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکم پیمبر

کہ "حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو[2]

ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ

ہر اک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

---

(۱) خواب گراں گہرا، گہرے خواب یا نیند سے بیدار کیا۔
(۲) حدیث نبوی "الحكمة ضالة المؤمن اخذها حيث وجدها" یعنی دانائی کی ہر بات مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے ملے وہ اس کو لے لیتے ہیں اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں "حیث وجدھا فھو احق بہا" جہاں بھی حکمت ملے وہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

حکومت چھن جانے پر اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنا

حکومت نے تم سے کیا گر کنارا
تو اس میں نہ تھا کچھ تمہارا اجارا
زمانے کی گردش سے ہے کس کو چارا
کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

ہوئی مقتضی جب کہ حکمت خدا کی
کہ تعلیم جاری ہو خیر الوریٰ کی
پڑے دھوم عالم میں دین ہدیٰ کی
تو عالم کی تم کو حکومت عطا کی

کہ پھیلاؤ دُنیا میں حکم شریعت
کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجت

بس اب علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں
کہ نسلیں تمہاری بنیں جن سے انساں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں
امیروں میں ہو نورِ تعلیم تاباں

---

(۱) مقتضی: مرضی، چاہت

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوئی ان میں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتی دین و ملت کو تھامے

زوالِ حکومت میں مایوسی کی کیفیت کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عمل داری
جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئے گی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنہیں پائیں گی آقا زیورِ تعلیم سے عاری
اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا اُن کو امتحانِ علم بیطاری
نہ مستغنی بکاول علم سے ہے اب، نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری

یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں
گر آٹا پینے کو چاہیے گی اِک پسنہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی، نہ جراحی، نہ کحالی، نہ عطاری
جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اُوپر خدائی ہے

مغربی فکر کے اثرات و ثمرات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی
وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی[1]
یقین جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمی
عمل نے جسے کر دیا آ کے ردی

اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اِس میں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت و انجیل و قرآں
بالاجماع ہیں قابل نسخ و نسیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہل یوناں
نہیں نسخ و تبدیل کا اُن میں امکاں

---

(۱) ٹٹی، سرکنڈے یا گھاس پھوس کی باڑ

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ
زبور اور توریت و انجیل و قرآں
بالاجماع ہیں قابل نسخ و نسیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہل یوناں
نہیں نسخ وتبدیل کا اُن میں امکاں
نہیں مٹتے جب تک کہ آثار دنیا
مٹے گا کبھی کوئی شوشہ نہ اُن کا
نتائج ہیں جو مغربی علم وفن کے
وہ ہیں ہند میں جلوہ گر سو برس سے
تعصب نے لیکن یہ ڈالے ہیں پردے
کہ ہم حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتے
دلوں پر ہیں نقش اہل یوناں کی رائیں
جو اب وحی اُترے تو ایماں نہ لائیں
اب اس فلسفے پر ہیں جو مرنے والے
شفا اور مجسطی کا دم بھرنے والے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے
فلاطون کی اقتدا کرنے والے

وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہی ہیں
جب کر چکے ختم تحصیل حکمت
بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھ طبیعت میں جودت
تو ہے سب سے اُن کی بڑی یہ لیاقت
کہ گر دن کو وہ رات کہہ دیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اسے اِک جہاں سے
سوا اس کے جو آئے اس کو پڑھا دیں
اُنھیں جو کچھ آتا ہے اُس کو بتا دیں
وہ سیکھے ہیں جو بولیاں سب سکھا دیں
میاں مٹھو اپنا سا اُس کو بنا دیں
یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل
اسی پر ہے فخر اُن کو بین الاماثل
ادھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا
کہ تھا گیان گن کا لدا یاں سے ڈیرا
اُدھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا
کہ وں سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانیوں میں
نہ یزداں پرستی تھی یزدانیوں میں

اہل دانش کی عظمت کا تذکرہ

وہ علم شریعت کے ماہر کدھر ہیں
وہ اخبار دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں
مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں
مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں
وہ وارث رسول امیں کے کہاں ہیں
رہاں کوئی اُمت کا ملجا نہ ماوی
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا
کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر
کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر

چلی ایسی اس بزم میں باد صرصر
بجھیں مشعلیں نور حق کی سراسر
رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور، مطرب نہ ساقی

مسلمانوں کی غلامی اور بے ہنری اور بے علمی کا تذکرہ

جو مغرب سے آئے نہ مال تجارت
تو مرجائیں بھوکے وہاں اہل حرفت
ہو تجار کر بند راہ معیشت
دکانوں میں ڈھونڈی نہ پائے بضاعت
پرائے سہارے ہیں بیوپار واں سب
طفیلی ہیں سٹھ اور تجار واں سب
یہ ہیں ترکِ تعلیم کی سب سزائیں
وہ کاش اب بھی غفلت سے باز آئیں
مبادا رہ عافیت پھر نہ پائیں
کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں
ہوا بڑھتی جاتی سر رہ گزر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

Toobaa-elibrary.blogspot.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

ہنر ہم میں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب
علوم اور کمالات معدوم ہیں سب
چلن اور اطوار مذموم ہیں سب
فراغت سے دولت سے محروم ہیں سب
جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

تعلیم وجہالت کا اثر زندگانی انسان پر

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہن گر، نہ بازی گر، نہ سوداگر
مہندس چاہیے مزدور اب اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور
نہ پہنے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب موچی فلاطوں سے یونہی کچھ ہوں تو ہوں کمتر
جہاں داری میں آج ایک ایک عامل ہے جم وکسریٰ
جہاں گیری میں ہے اک اک سپاہی طغرل وسنجر

گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اُس سے اعلیٰ تر
کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یاں ایک حالت پر
نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آ کر
زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُن کا مٹا دوں گا

Toobaa-elibrary.blogspot.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی تعلیم

(۱۸۸۹ء)

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو!
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہوں گر نہ معنی ''لاتسبوا الدھر[1]'' کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ اے مری چالوں سے بیگانو!
گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیں دار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو
گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کی حصہ، اے تن آسانو!

---

[1] ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:
لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ (یعنی زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی شیون الٰہی میں سے ایک شان ہے)

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنریاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل، مری جانو!
مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمع سحرگاہی کے پروانو
بھرا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیار واں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانہ ویراں کے دربانو
نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

دُعائیہ انداز میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یارب
پکڑ ہاتھ جلد اس کی اُمت کا یارب
اِک ابر اُس پہ بھیج اپنی رحمت کا یارب
غبار اُس نے جو دھوئے ذلت کا یارب
کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اُس کی
ہوا پس اسلام پستی سے اُس کی
بچا ان کو اس تنگنائے بلا سے
کہ رستہ ہو گم رہ رو و رہنما سے

Toobaa-elibrary.blogspot.com
” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

نہ اُمید باری ہو یار آشنا سے
نہ چشم اعانت ہو دست و عصا سے
چپ و راس چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں اُمیدوں کی جا حسرتیں ہوں
انہیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے
ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے
کمیں گاہ بازی دوراں دکھا دے
جو ہونا ہے کل آج ان کو بتا دے
چھتیں پاٹ لیں تا کہ باراں سے پہلے
سفینہ اپنا رکھیں طوفاں سے پہلے

کتابیات

۱-	قرآن کریم	
۲-	المعجم المفهرس	
۳-	مجموعه الكتب الستة	دار السلام
۴-	الترغيب و الترهيب	امام المنذری
۵-	البدور البازغه	حضرت شاہ ولی اللہ
۶-	حجة الله البالغة	حضرت شاہ ولی اللہ
۷-	قدیم علوم اور جدید تہذیب	جارج سارٹن
۸-	الرسول المعلم	زاہد الکوثر
۹-	دار العلوم دیوبند	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری
۱۰-	بلاغ المبین	حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۱۱-	لمحات لمعات	حضرت شاہ ولی اللہ
۱۲-	سطعات	حضرت شاہ ولی اللہ
۱۳-	طبیعات کا ارتقاء	آئن سٹائن
۱۴-	تذکرہ مصنفین درس نظامی	اختر راہی
۱۵-	سہ رسالہ شیخ اشراق	شہاب الدین سہروردی
۱۶-	آئین اکبری	ابو الفضل
۱۷-	تزک جہانگیری	احمد علی رام پوری
۱۸-	شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ	عبید اللہ سندھی
۱۹-	مقالات الاسلامیین	ابو الحسن اشعری
۲۰-	تاریخ قدیم ہند	راما شنکر ترپاٹھی

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۱- وجود باری اور توحید — ڈاکٹر غلام مرتضیٰ
۲۲- عسکری نامہ — محمد حسن عسکری
۲۳- مجموعہ تصانیف — محمد حسن عسکری
۲۴- المسترشدین — حارث بن اسد المحاسبی
۲۵- سوانح قاسمی — مناظر احسن گیلانی
۲۶- المعارف مخصوص شمارے — ادارہ ثقافت اسلامیہ
۲۷- منہاج (مخصوص شمارے) — دیال سنگھ ریسرچ سیل
۲۸- چراغ اسلام (مخصوص شمارے) — جامعہ عربیہ گوجرانوالہ
۲۹- المعارف (مخصوص شمارے) — ادارہ ثقافت اسلامیہ
۳۰- المعارف (مخصوص شمارے) — ندوۃ المصنفین
۳۱- کلیات نظم حالی — مجلس ترقی ادب
۳۲- خطبات بہاولپور — ڈاکٹر حمید اللہ
۳۳- تعلیمی پیمائش — پرویز اسلم شامی
۳۴- تعلیمی تحقیق برائے ایم ایڈ — مختلف مصنفین
۳۵- اصول تحقیق — سلطانہ بخش
۳۶- رحمۃ للعالمین — سلمان منصور پوری
۳۷- سیرۃ النبی — شبلی نعمانی
۳۸- شاہ ولی اللہ کی تعلیم — غلام حسین جلبانی
۳۹- تدوین نصاب — مختلف مصنفین
۴۰- رسائل امام غزالی — دارالاشاعت
۴۱- دفع الباطل — شاہ رفیع الدین
۴۲- تاریخ تعلیم — مختلف مصنفین

۴۳- رسالہ دانشمندی — حضرت شاہ ولی اللہ
۴۴- مجموعہ الفقہ الاکبر — امام ابوحنیفہ
۴۵- عہد زریں — سید محمد میاں
۴۶- ۲۰ بڑے مسلمان — حافظ عبدالرشید ارشد
۴۷- تکمیل الاذہان — شاہ رفیع الدین
۴۸- عبقات — شاہ اسماعیل شہید
۴۹- ہندوستان کے سلاطین اور علماء و مشائخ — صباح الدین
۵۰- علمائے ہند کا شاندار ماضی — سید محمد میاں

Toobaa-elibrary.blogspot.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com